فہرست

لمعات: (مسلمانوں کے بارے عالمی تاثر کیسے بدلے)	ادارہ	3
کرامات (سائنس کی روشنی میں)	ادارہ	5
الصلوٰۃ	شاہد محمود بٹ	22
پرستش کرنا، قرآن کریم کے خلاف ہے	خواجہ ازہر عباس، فاضل درسِ نظامی	27
نیست ممکن جز بقرآں زیستن	محمد اکرم راٹھور	37
دیکھئے قرآن کی آواز کہاں کہاں سے اُٹھ رہی ہے!	ادارہ	42

ENGLISH SECTION

We Dilute Significance of Ramadan
By Ubedur Rahman Arain 1
Qadar ق د ر, Taqdeer (LUGHAT-UL-QURAN)
By Ghulam Ahmad Parwez
Translated by: Dr. Sohail Alam 3

طلوعِ اسلام کا لٹریچر یہاں سے دستیاب ہے

نیچے درج کئے گئے کتب خانوں سے طلوعِ اسلام ٹرسٹ کی تمام کتب، دروس القرآن کی تمام جلدیں، اسلامی کتابیں اور لائبریری کے لئے تمام موضوعات پر ہمہ قسم کتب رعایتی نرخوں پر خریدنے کے لئے تشریف لائیں۔

1- کلاسک بک سیلرز، 42، دی مال (ریگل چوک) لاہور۔	فون: 042-37312977، موبائل: 0300-4442226
2- سانجھ بک سیلرز، بک اسٹریٹ 46/2، مزنگ روڈ، لاہور۔	موبائل: 0333-4051741
3- مسٹر بکس، بک سیلرز، سپر مارکیٹ، اسلام آباد۔	فون: 051-2824805-2278843
4- البلال بک ڈپو، اردو بازار، کراچی۔ موبائل: 0344-2502141	5- شہباز بک ایجنسی، اردو بازار، کراچی۔ فون: 021-32632664
6- مذہبی کتب خانہ، اردو بازار، کراچی۔ موبائل: 0331-2716587	7- شاہ زیب انٹر پرائزز، اردو بازار، کراچی۔ فون: 021-32214259
8- علمی کتاب گھر، اردو بازار، کراچی۔ فون: 021-32628939	9- مکتبہ دارالسلام، اردو بازار، کراچی۔ فون: 021-32212269
10- محمد سلیم، قرآن سینٹر، اردو بازار، کراچی۔ فون: 021-32210770	11- محمد علی، کارخانہ اسلامی کتب، اردو بازار، کراچی۔ فون: 021-32631056

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

مسلمانوں کے بارے عالمی تاثر کیسے بدلے

اس حقیقت سے دشمن بھی انکار نہیں کر سکتا کہ اسلام وہ دین ہے جس نے بنی نوع انسان کے لئے مکمل اور موثر ضابطہ حیات اور منشور پیش کیا ہے تاکہ انسانی شب و روز سکون و اطمینان سے گزریں اور ان میں کسی قسم کی کوئی بدنظمی یا انتشار پیدا نہ ہو لیکن افسوس کہ مسلمانوں کو یہ بات کہنی اور سمجھانی پڑتی ہے جبکہ اس کی روشنی ان کے افعال و اطوار سے پھوٹنی چاہیئے۔ چونکہ ایسا نہیں ہوتا اس لئے جو بات اظہر من الشمس ہے ہمیں اس کا بھی تعارف پیش کرنا پڑتا ہے۔ دور حاضر میں دشمنان اسلام کی سازشوں' حربوں اور ہتھکنڈوں کی وجہ سے اگر پوری دنیا میں مسلمان دفاعی رخ اپنانے پر مجبور ہیں تو اس کی بنیادی وجہ بھی یہی ہے کہ مسلمان' اسلامی تعلیمات کو عملاً عام کرنے میں ناکام ہیں جس کے پیش نظر دشمنان اسلام کو کھل کھیلنے کا موقع مل جاتا ہے اور وہ ان کروڑوں لوگوں کو بہکانے اور اسلام کے خلاف ورغلانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں جو اسلام سے واقف نہیں ہیں۔ دور نہ جاتے ہوئے اگر ہم جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ اس کی مثالیں ہمارے آس پاس بھی بکھری ہوئی ہیں۔ کسی بھی غیر مسلم دانشور' ممتاز شخصیت اور اگر یہ نہیں تو کسی عام آدمی سے گفتگو کر لیجئے' اس کا ذہن اسلام مخالف پروپیگنڈے سے آلودہ تو ملے گا' حقیقی اسلامی تعلیمات سے واقفیت کے سبب جس طرح روشن ہونا چاہیئے قطعی نہیں' ملے گا۔ آئے دن ٹرینوں' بسوں اور دیگر عوامی مقامات پر متشرع مسلمانوں کے ساتھ جو لوگ تحقیر آمیز سلوک کرتے ہیں وہ بنیادی طور پر مسلم دشمن نہیں ہیں بلکہ متذکرہ پروپیگنڈے کا شکار ہیں جس کے سبب ان میں مخاصمانہ جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ افسوس کہ پوری دنیا میں اسلام مخالف پروپیگنڈہ تو جاری ہے لیکن اس زہر کے تریاق کے لئے ہماری جو تیاری ہونی چاہیئے' نہیں ہے۔ ہم اسلام کو بہترین مذہب نہیں بلکہ دین مانتے ہیں لیکن اس کی روشنی سے انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنے ظاہر و باطن کو منور نہیں کرتے جس کے نتیجے میں اسلام دیگر قوموں کے لوگوں تک نہیں پہنچتا اور وہ بہت آسانی سے پروپیگنڈے کا شکار ہو کر مسلمانوں سے کدورت و حقارت رکھنے لگتے ہیں۔ سیرتِ طیبہ کا مطالعہ قرآن کریم کی روشنی میں ہمیں جو پیغام دیتا ہے وہ یہ ہے کہ ہم اسلامی تعلیمات کو اپنے اندر رچا بسا لیں۔ اسلام کا' جو بھی پیغام ہے اس کا ترشح ہماری شخصیت سے' ہمارے معاملات سے' ہمارے اطوار سے' ہماری گفتگو سے' ہمارے رکھ رکھاؤ سے اور ہمارے شب و روز سے ہونا چاہیئے۔ بالفاظ دیگر' کیا جھوٹ بولنے والا مسلمان یہ پیغام عام کر سکتا ہے کہ اسلام سچ بولنے کی تعلیم دیتا ہے؟ کیا دوسروں کی حق تلفی کرنے والا مسلمان یہ وضاحت پیش کر سکتا ہے کہ اسلام حق ادا کرنے کی ہدایت دیتا ہے؟ کیا چوری کرنے والا مسلمان یہ سمجھا سکتا ہے کہ اسلام میں چوری کے خلاف سخت وعید ہے؟ کیا غلیظ گلیوں محلوں میں رہنے والا مسلمان یہ باور کرا سکتا ہے کہ اسلام میں ''صفائی نصف ایمان ہے''؟ کیا ایک جاہل اور ناخواندہ مسلمان عوام الناس کو بتا سکتا ہے کہ اسلام کی پہلی ہدایت ''اقراء'' ہے؟ یقیناً نہیں۔ اسلام کی صحیح تصویر اور تصور پیش کرنے کے لئے تحریروں' تقریروں اور دعوؤں سے کہیں زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ

مسلمان اسلام کے پیکر میں ڈھل کر بلکہ حضور ﷺ کی سیرتِ مبارکہ کے مطابق قرآنِ کریم کا چلتا پھرتا نمونہ بن کر اپنے عمل کے ذریعہ اپنے دین کا تعارف پیش کریں۔ جو یقینی طور پر بے حد موثر ثابت ہوگا۔ چونکہ موجودہ دور میں ایسا نہیں ہو پا رہا ہے اور مسلمانوں کی عمومی شبیہہ اس حد تک خراب ہو چکی ہے کہ دنیا بھر کے لوگ اس قوم کو ہر طرح کی خرابیوں میں کمر کمر تک دھنسا ہوا محسوس کر رہے ہیں اس لئے ہماری دفاعی حکمت عملی بھی کچھ بہت زیادہ فائدہ مند ثابت نہیں ہو رہی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

قرآن حکیم کے طالب علموں کے لیے خوشخبری

علامہ غلام احمد پرویزؒ کے سات سو سے زائد دروسِ قرآنی پر مبنی تفسیری سلسلہ کے تحت بزمِ طلوع اسلام لاہور کی طرف سے مندرجہ ذیل تفسیری کتب کی اشاعت الگ الگ جلدوں میں ہو چکی ہے۔ یہ جلدیں 20x30/8 کے بڑے سائز کے بہترین کاغذ پر خوبصورت طباعت اور مضبوط جلد بندی کے ساتھ دستیاب ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ	نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ
سورۃ الفاتحہ	(1)	240	-/160	سورۃ النمل	(27)	280	-/225
سورۃ الفاتحہ (سٹوڈنٹ ایڈیشن)	(1)	240	-/110	سورۃ القصص	(28)	334	-/250
سورۃ البقرہ (اول)	(2)	500	-/350	سورۃ عنکبوت	(29)	388	-/275
سورۃ البقرہ (دوم)	(2)	538	-/350	سورہ روم، لقمان، السجدہ	(30,31,32)	444	-/325
سورۃ البقرہ (سوم)	(2)	500	-/350	سورہ احزاب، سبا، فاطر	(33,34,35)	570	-/325
سورۃ النحل	(16)	334	-/250	سورہ یٰسین	(36)	164	-/125
سورہ بنی اسرائیل	(17)	396	-/275	29 واں پارہ (مکمل)	----	544	-/325
سورۃ الکہف وسورہ مریم	(18-19)	532	-/325	30 واں پارہ (مکمل)	----	624	-/325
سورہ طٰہٰ	(20)	416	-/275				
سورۃ الانبیآء	(21)	336	-/225				
سورۃ الحج	(22)	380	-/275				
سورۃ المؤمنون	(23)	408	-/300				
سورۃ النور	(24)	264	-/200				
سورۃ الفرقان	(25)	389	-/275				
سورۃ الشعرآء	(26)	454	-/325				

ملنے کا پتہ: ادارہ طلوع سلام (رجسٹرڈ) 25/B، گلبرگ 2، لاہور، فون نمبر: 4546 3571-42-92+

بزم ہائے طلوع اسلام اور تاجر حضرات کو ان ہدیوں پر تاجرانہ رعایت دی جائے گی۔ ڈاک خرچ اس کے علاوہ ہوگا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کرامات

(سائنس کی روشنی میں)

(جب ذہنِ انسانی اپنے عہدِ طفولیت میں تھا تو اس کی صورت یہ تھی کہ واقعات اور حوادث اس کے سامنے ہر روز نمودار ہوتے رہتے تھے لیکن وہ ان کے اسباب و عِلل تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اس سے لامحالہ اس کے دل میں توہمات پیدا ہوتے تھے اور یہی توہمات تھے جنہوں نے فطرت کی غیر مرئی قوتوں کو دیوی اور دیوتا بنا دیا اور وہ ان کی پرستش کرنے لگ گیا۔ جوں جوں علم کی روشنی بڑھتی گئی، مختلف حوادثِ کائنات کے اسباب و عِلل انسان کی سمجھ میں آنے لگ گئے اور اس طرح رفتہ رفتہ ان دیوی اور دیوتاؤں کی تعداد میں کمی ہوتی چلی گئی۔ قرآن آیا تو اس نے ان دیوی دیوتاؤں کے وجود ہی کو ختم کر دیا اور کھلے کھلے الفاظ میں کہہ دیا کہ انسان سے اوپر خدا کے علاوہ اور کوئی قوت نہیں۔۔۔ لا الٰـــہ الا اللــہ۔۔۔ کائنات کا سلسلہ خدا کے متعین کردہ قوانین کے مطابق سرگرم عمل ہے اور انسان کو اس کی صلاحیت دے دی گئی ہے کہ وہ ان قوانین کا علم حاصل کرے۔ جوں جوں وہ ان قوانین کا علم حاصل کرتا جائے گا، اشیاء فطرت اس کے تابع فرمان ہوتی جائیں گی۔ اسی کو تسخیر فطرت کہتے ہیں۔ قرآن کی حامل جماعت نے اس راز کو پا لیا اور چند دنوں کے اندر وہ مشرق و مغرب پر چھا گئی۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اسلام کی مخالف قوتوں نے قرآن کو ان کی نگاہوں سے اوجھل کر دیا اور یہ قوم انہی توہم پرستیوں میں الجھ گئی جہاں سے انہیں قرآن کی روشنی نے نکالا تھا۔ اب ہر خانقاہ ان کی پرستش گاہ تھی اور اس کے اندر مٹی اور پتھر کی قبر اور اس میں دفن کیا ہوا مردہ ان کا معبود۔ اس پرستش کی عمارت ان کرامات کے آسروں پر قائم ہوتی تھی جو اس قبر میں دفن شدہ بزرگ یا اس کے سرہانے بیٹھے ہوئے مجاوروں کی طرف منسوب کی جاتی تھیں۔ ان میں سب سے نمایاں حیثیت، وِرد، وظائف، تعویذ، گنڈے، جنتر منتر کو حاصل تھی، جن سے مریضوں کو شفا ملتی تھی۔ اس قوم میں توہم پرستیوں کا یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ چنانچہ آج بھی یہ حالت ہے کہ اگر کسی جگہ کوئی نہایت عمدہ ڈاکٹر ہو اور اس کے مقابلہ میں کسی قبرستان میں کوئی

جاہل مطلق فقیر آ بیٹھے جو پانی کے پیالوں میں' اپنی تھوک اور گندہ ذہنی کے جراثیم ملاملا کرلوگوں کو دیتا جائے تو ساری دنیا اس ڈاکٹر کو چھوڑ کر اس فقیر کی طرف بھاگ اٹھے گی جسے ولی اللہ کہہ کر پکارا جائے گا۔

یہی توہم پرستی خود یورپ میں بھی تھی لیکن وہاں کے داناؤں نے غور کرنا شروع کر دیا کہ جو لوگ بغیر دواؤں کے مریضوں کو اچھا کر دیتے ہیں اس کی وجہ کیا ہے؟ ان کی یہ تحقیق مختلف منازل میں سے گذری جن میں مسمرازم اور ہپناٹزم خاص طور پر مشہور ہیں۔ ان کی رو سے یہ دریافت ہوا کہ انسان کی قوتِ خیال کو اگر خاص نظم وضبط کے ماتحت کام میں لایا جائے تو یہ قوت دوسروں پر بڑا گہرا اثر کرتی ہے جس سے اعصابی بیماریوں میں نمایاں فائدہ ہوتا ہے۔ اس سے آگے بڑھے تو ڈاکٹر فرائڈ نے یہ تحقیق کی کہ انسان کے شعور کے علاوہ ایک قوت ہے جسے لاشعور کہتے ہیں۔ یہ قوت انسانی زندگی پر بڑی حد تک اثر انداز ہوتی ہے۔ ان لوگوں نے یہ بتایا کہ قوتِ خیال ہو یا انسان کے لاشعور کا خاص نظم وضبط' یہ خالص فنی چیزیں ہیں جنہیں انسان کی بزرگی وغیرہ سے کوئی تعلق نہیں۔ چنانچہ وہاں یہ چیزیں ''عملیات'' کے دائرہ سے نکل کر سائنس کی حدود میں جا پہنچیں۔ کسی کو ان نظریات سے اتفاق ہو یا اختلاف (اور ہمیں خود فرائڈ کے اس نظریہ سے شدید اختلاف ہے جس میں اس نے ہر جذبہ کی قوت محرکہ جنسیات کو قرار دے دیا ہے) لیکن اسے تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان لوگوں نے انسانی توہم پرستی کا سائنس کی روشنی میں تجزیہ کرنے میں بڑی کوشش کی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ جب یہ کوششیں آگے بڑھیں تو ان بہت سی چیزوں کی وجوہات سمجھ میں آ جائیں جن کے اسباب وعلل ابھی تک انسان کے علم میں نہیں آئے۔

دہلی سے شائع ہونے والے ماہوار مجلّہ ''برہان'' کی جنوری 1954ء کی اشاعت میں معزز علی بیگ صاحب' لیکچرر شعبہ فلسفہ ونفسیات' مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا ایک مضمون شائع ہوا ہے جس کا عنوان ہے ''تحلیل نفسی کا تاریخی پس منظر'' اس مضمون میں مسمرازم' ہپناٹزم اور فرائڈ کے نظریۂ تحلیل نفسی کے تاریخی پہلو پر گفتگو کی گئی ہے۔ مضمون کی افادیت کے پیش نظر ہم اسے طلوع اسلام میں درج کرتے ہیں۔ مضمون کے انداز سے ایسا مترشح ہوتا ہے جیسے یہ ترجمہ کیا گیا ہے اور ترجمہ کی زبان بھی زیادہ صاف نہیں لیکن ہم اس کی زبان میں ردوبدل نہیں کرنا چاہتے۔ امید ہے کہ اس مضمون کو دلچسپی سے پڑھا جائے گا۔

واضح رہے کہ جب قرآن میں خود رسول اللہ ﷺ کے متعلق بتکرار کہہ دیا گیا ہے کہ آپ کو قرآن کے علاوہ کوئی معجزہ نہیں دیا گیا تھا تو آپ کی امت میں

سے کسی کے متعلق یہ کہنا کہ اسے اس کی ''روحانیت'' کی بلندی کی بناء پر خدا کی طرف سے کرامات ملی ہیں (جو معجزات ہی کا دوسرا نام ہوتا ہے) یکسر غیر قرآنی تصور ہے۔ اگر ''روحانیت'' کوئی چیز ہے تو رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر اور کس کی روحانیت ہو سکتی ہے اور جب رسول اللہ ﷺ کو کوئی ''کرامات'' نہیں دی گئیں تو کسی اور کو کرامات کس طرح مل سکتی ہیں۔ لہٰذا جن باتوں کو ہم کرامات کہتے ہیں ان کا تعلق دین سے کچھ نہیں ہوتا۔ یہ فنی چیزیں ہیں جو مسلم اور غیر مسلم سب سے سرزد ہو سکتی ہیں۔ ہندو سادھوؤں کے ہاں ایسی ایسی کرامات ملتی ہیں جن سے انسان محوِ حیرت رہ جاتا ہے۔ قرآن ایک نظامِ زندگی دینے کے لئے آیا ہے شعبدہ بازی سکھانے کے لئے نہیں آیا۔ (طلوعِ اسلام)

تحلیلِ نفسی اور اس سے متعلق نظریات، عصرِ جدید کا وہ عظیم الشان کارنامہ ہے جس نے نہ صرف نفسیات بلکہ تعلیم، ادب اور اجتماعیات کے مختلف گوشوں پر بہت گہرا اثر ڈالا ہے۔ ڈاکٹر سگمنڈ فرائڈ (Sigmund Freud) کی یہ تحقیق، جو اس کے تمام نظریات کا سنگِ بنیاد ہے، اپنی پشت پر ایک طویل تاریخ رکھتی ہے جس کی روشنی میں اس کو اور اس کے مقصد کو بآسانی سمجھا جا سکتا ہے۔ اس دریافت کا سہرا گو تمام تر فرائڈ ہی کے سر ہے اور جیسا کہ پروفیسر وُڈورتھ (Wood Worth) نے کہا ہے ''تحلیلِ نفسی کا طریقہ اور اس سے حاصل شدہ نتائج بالکل فرائڈ ہی کے لئے مخصوص ہیں۔'' تاہم اس میں کچھ اور ماہرینِ نفسیات کا بھی بالواسطہ دخل ہے۔ یہاں پر یہ کہنا دلچسپی سے کالی نہ ہوگا کہ کانٹ (Kant) کو جرمنی کا ایک بلند پایہ فلسفی بنانے میں جس طرح انگلستان کے شہرۂ آفاق مفکر ڈیوڈ ہیوم (David Hume) کا ہاتھ ہے، اسی طرح فرائڈ کو ایک امتیازی مقام تک پہنچانے میں فرانس کے ڈاکٹروں کی معاونت شامل ہے۔

تحلیلِ نفسی کا طریقہ دراصل مسمرازم (Mesmerism) اور ہپناطیقیت (Hypnotism) 1 کی ایک بہت ترقی یافتہ شکل ہے۔ چنانچہ پہلے ہم انہی دونوں طریقوں اور ان کی تاریخ پر تفصیل سے روشنی ڈالیں گے کیونکہ ان کا استعمال فرائڈ سے پہلے فرانس کے ڈاکٹر برابر کر رہے تھے اور ان کے کارناموں کی شہرت تمام یورپ میں پھیل چکی تھی۔

مسمرازم: اینٹن فرنیز مسمر (Anton Frans Mesmer) (1734ء تا 1815ء) نے جو آسٹریا کا ایک مشہور طبیب تھا۔ 1780ء میں حیوانی مقناطیسیت (Animal

---

1 (یہ دونوں اصطلاحیں دراصل اس مصنوعی بیہوشی یا غفلت کے لئے استعمال کی جاتی ہیں جو ایک خاص نفسیاتی عمل سے کسی انسان پر بھی طاری کی جا سکتی ہے بشرطیکہ اس عمل کے تمام لوازم کا اہتمام کیا جائے۔ اس عمل کو نفسیاتی اصطلاح میں ''ایعاذ'' (Suggestion) کہتے ہیں۔ اس لئے اکثر ہپناطیقیت کے علاوہ ''ہپناطیقی ایعاذ'' کی اصطلاح بھی استعمال کی جاتی ہے۔)

(Magnetism) کا نظریہ پیش کیا جو بعد میں مسمرازم کے نام سے مشہور ہوا۔ اس نظریہ کی رو سے اس نے ثابت کرنا چاہا کہ حیوانی مقناطیسی اثر سے (جس کی تفصیل آگے آئے گی) ایسے امراض مثلاً فالج اور تشنج وغیرہ کا علاج کیا جا سکتا ہے' لیکن مسمر کی یہ بات کوئی نئی چیز نہ تھی بلکہ جیسا کہ پیرے ژانے (Pierre Janey) نے اپنی کتاب اصول نفسی علم العلاج (Principles of Psychotherapy) میں اشارہ کیا ہے' اس قسم کے فوق الفطری اور ساحرانہ علاج دنیا میں قبل از مسیحؑ جاری تھے۔ اسی بات کو اس نے اپنی دوسری کتاب نفسیاتی علاج (Psychological Healing) میں ذرا تفصیل سے لکھا ہے۔ چنانچہ اس کا تذکرہ یہاں خالی از افادیت نہ ہوگا۔ وہ لکھتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ سے پہلے یونان' روم' اور مصر میں اکثر پیشہ ور طبیب اس قسم کی کرامات دکھاتے تھے کہ امراض دوا کے بجائے فوق الفطری طریقوں سے بھی ٹھیک ہو سکتے ہیں جن کو ''معجزات'' یا سحر سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ ایسکولیپیس کا مندر (Temple of Aesculapius) جو کہ اپی ڈورس میں واقع ہے۔ اس سلسلہ میں مشہور ہے۔ یہاں پر ایک بہت بڑا بت نصب تھا اور ہزار ہا مریض علاج کے واسطے آیا کرتے تھے۔ بت کے چاروں طرف اور مندر کے دوسرے حصوں میں مجاور' عابد اور اطباء موجود رہتے تھے' یہ اطباء مرض کی تشخیص کیا کرتے تھے اور مجاوروں میں سے بعض کا کام تو یہ ہوتا تھا کہ مریض کو بت کے قریب لیجا کر اس سے صحت کے واسطے سفارش کریں اور بعض کا کام یہ تھا کہ جو علاج بھی وہ بت تجویز کرے اسے مریض کو سمجھا کر زیرِ علاج کر لیں۔ گویا وہ بت اور مریض کے درمیان ترجمان کا کام انجام دیتے تھے۔ مندر میں داخل ہوتے وقت دہلیز پر قیمتی نذرانے رکھے جاتے تھے اور پھر مریض ایک فوارے کے شفاف پانی سے غسل لیتے تھے جو وہاں خاص طور پر لگایا گیا تھا۔ مندر میں کم از کم ایک رات قیام کرنا ضروری ہوتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک نابینا سپاہی ویلیریس اپیر نامی آیا جس کو رسومات ادا کرا کر بتایا گیا کہ وہ اپنی آنکھوں پر سفید مرغ کا خون شہد میں حل کر کے طلا کرے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور اس کی بینائی واپس آ گئی۔ اس روایت کے غلط یا صحیح ہونے سے ہم کو سروکار نہیں۔ یہاں صرف ساحرانہ طریق علاج کو پیش کرنا مقصود ہے۔ غرضیکہ قبل از مسیحؑ ایسی طب کا عام رواج تھا اور طبی ارتقاء کی تاریخ میں ان واقعات کو اہمیت حاصل ہے۔

عہد عیسوی کے قرونِ وسطیٰ میں بھی اس قسم کی مثالیں ملتی ہیں۔ ایلی جیس (Eligius) سینٹ ملاشی (St. Malachi) اور برنارڈ آف کلارڈ (Bernard of Clairvaux) ان مشہور مذہبی معالجوں میں ہیں جن کے ''معجزات'' اور کرشمے ایک مصنف گیئر نامی نے اپنی کتاب میں لکھے ہیں۔ ان کا دستور یہ تھا کہ یہ جناب مسیحؑ اور سینٹ ڈینس کا واسطہ دے کر مریض کے لئے دعا کرتے تھے اور پھر مریض سے کہا جاتا تھا کہ وہ حضرت عیسیٰؑ کے نام پر کھڑا ہو جائے' ان الفاظ کو سنتے ہی مریض تازہ دم ہو کر کھڑا ہو جاتا تھا اور اپنے آپ کو

تندرست پاتا تھا۔ اسی طرح انگلستان اور فرانس کے بادشاہوں میں دستور رائج تھا کہ وہ گردن وغیرہ میں جو گلٹیاں نکل آتی ہیں انہیں صرف چھو کر اچھا کیا کرتے تھے اور اس بیماری کو ''شاہی بلا'' کہتے تھے لیکن لوئی شش دہم (Louise XVI) کے زمانے سے یہ رسم ختم ہو گئی۔۔۔ چارلس دہم نے (Charles X) اسے دوبارہ زندہ کرنا چاہا لیکن ناکام رہا کیونکہ جیسا کہ ایک فرانسیسی مصنف لیند وزی کا بیان ہے' ان تمام باتوں پر سے اعتقاد اٹھ چکا تھا لیکن ''معجزات'' پھر بھی اٹھارویں صدی کے آخر تک رائج رہے۔ اسی طرح جادو کے ذریعہ سے بھی علاج ہوتے رہے۔ جیمس گراہم (James Graham) کا نام اس سلسلہ میں بہت مشہور ہے جو ''بجلی کے تخت'' اور ''آسمانی چارپائی'' کے ذریعہ سے بانجھ پن کا علاج کرتا تھا جس پر صرف ایک رات لیٹنے کی قیمت پچاس پونڈ ہوتی تھی۔ غرض کہ یورپ میں یہ ساحرانہ کرشمے اور دیگر غیر فطری طریقہ ہائے علاج عام طور پر استعمال کئے جاتے تھے۔ چنانچہ مسمر نے ان ہی سے متاثر ہو کر اپنا ایک نظریہ قائم کیا لیکن اس حیوانی مقناطیسیت کا بانی تنہا صرف مسمر ہی نہیں تھا بلکہ یہ خیال سولہویں صدی کے ایک طبیب پیراسلس (Paracelsus) نے پیش کیا تھا اور مسمر نے اسے آگے بڑھایا۔ پیراسلس کا یہ دعویٰ تھا کہ ستاروں میں ایک قوت موجود ہے جس کی مدد سے انسانی امراض کا علاج بغیر ادویہ کے استعمال کرائے کامیابی سے کیا جا سکتا ہے۔ پس اسی خیال پر مسمر نے اپنا نظریہ قائم کیا۔ ژانے کا بیان ہے کہ مسمر کہتا تھا کہ سارے عالم میں ایک غیر مرئی سیال مادہ جاری ہے جو تمام اجسام میں سرایت کئے ہوئے ہے اور ستارے اس سیال مادے کے ذریعے سے اپنا اثر ڈالتے رہتے ہیں اور جب اس مادے کی متوازن تقسیم میں فتور پیدا ہو جاتا ہے تو امراض رونما ہونے لگتے ہیں اور اس کا علاج یہ ہے کہ اس توازن کو دوبارہ مقناطیسی قوت سے قائم کر دیا جائے جو ہر جسم سے غیر مرئی طور پر مسلسل نکلتی رہتی ہے۔ مسمر نے ہر چند کوشش کی کہ اس نظریہ کو سائنس کے میدان میں لے آئے لیکن یہ بات اس قدر مبہم اور غیر معقول تھی کہ ڈاکٹروں نے اسے قطعاً ناقابلِ اعتناء سمجھا بلکہ یہاں تک ہوا کہ بعض نے مسمر کو نیم حکیم قرار دے کر اس پر یہ الزام بھی عائد کر دیا کہ وہ مسمرازم سے اخلاق عامہ کو بگاڑ رہا ہے کیونکہ بعض لوگوں پر اس کا اثر بہت برا پڑا ہے۔

پروفیسر ولیم میکڈوگل (William McDougall) لکھتے ہیں کہ مسمر کا یہ دعویٰ تھا کہ وہ ایک عجیب وغریب بھاپ یا رطوبت کو معمول (Subject) کے جسم میں داخل کر کے اس پر غفلت طاری کرتا ہے اور پھر علاج کرتا ہے (اسی رطوبت کو اس نے حیوانی مقناطیسیت کا نام دیا تھا) اور یہی جسم سے خارج ہونے والی مقناطیسی قوت مریض کے سیال مادہ کا توازن درست کر دیتی ہے۔ معمول پر غفلت طاری کرنے کے لئے مسمر کا طریقہ یہ تھا کہ وہ اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر انگوٹھوں تک لاتا تھا اور دو تین مرتبہ اس عمل کو دہراتا تھا۔ اس کے علاوہ جہاں کہیں درد یا کوئی اور تکلیف ہوتی تھی اس عضو کو اپنی ہتھیلی یا

انگلی سے چھوتا تھا۔ اس کے علاوہ ایک اور بھی عجیب وغریب طریقہ تھا جسے مسمر بڑے اعتقاد کے ساتھ استعمال کرتا تھا ایک گہرے بڑے برتن میں بہت سی مقناطیسی کیلیں جمع تھیں اور برتن کے ہر طرف لمبی دھات کی سلاخیں جڑی ہوئی تھیں جن کا رخ باہر کو تھا مریض اس برتن کے چاروں طرف بیٹھ جاتے تھے اور تصور یہ رہتا تھا کہ مقناطیسی اثر ان کیلوں سے نکل کر سلاخوں سے گذرتا ہوا مریضوں تک پہنچ رہا ہے اور اس سے سیال مادے کا توازن درست ہو رہا ہے۔ اس کے بعد فی الواقع بہت سے امراض بالخصوص ذہنی اچھے ہو جاتے تھے۔ یہ باتیں چونکہ حیرت انگیز تھیں اس لئے باوجود عدم توجہی کے اس کی تحقیق کے لئے ایک شاہی کمیٹی مقرر ہوئی جس میں بنجمن فرینکلن (Benjamin Franklin) اور مشہور ماہر علم الکیمیا لاؤزیر (Lavoisier) بھی شامل تھے۔ یہ لوگ تحقیق وجستجو کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ مریض کو کسی مقناطیسی اثر وغیرہ سے فائدہ نہیں ہوتا بلکہ خود اسی کی قوتِ متخیلہ مرض کو دفع کر دیتی ہے۔ ژانے کے قول کے مطابق یہ کمیٹی 1784ء میں مقرر ہوئی اور اس نتیجہ پر پہنچی کہ مریض کے اوپر ایک طاقت کارفرما نظر آتی ہے جو عامل کے تصرف میں ہوتی ہے۔ ہمیں اس سے تو بحث نہیں کہ ان میں سے کونسا بیان زیادہ صحیح ہے۔ البتہ اس سے یہ اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ مسمرازم پر عام اطباء کو چھوڑ کر خواص کی نظر ضرور پڑ رہی تھی اور یہ بات بریم ویل کی کتاب ''تاریخ وطریقہ ہائے ہپناطیقیت'' سے بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ چند قابل ڈاکٹروں نے اس فن کو سمجھنے میں اپنی پوری توجہ صرف کی جن کا ذکر ذرا تفصیل سے کرنا مناسب ہوگا۔

اس سلسلے میں سب سے پہلا نام جان ایلیٹسن (John Elliotson) کا آتا ہے جو ساؤتھ ورک (Southwark) کے ایک عطار کا لڑکا تھا۔ 1831ء میں جبکہ ایلیٹسن یونیورسٹی کالج میں طب کا پروفیسر مقرر ہوا تو اس نے مسمرازم پر تجربات شروع کئے لیکن 1838ء میں اسے سخت تاکید کی گئی کہ وہ آئندہ ہرگز ایسا نہ کرے کیونکہ علاوہ اور باتوں کے لوگوں نے اسے مخرب اخلاق بھی سمجھ رکھا تھا۔ اس لئے یونیورسٹی کے قانونی دفعات میں بھی اسے ممنوع قرار دیا گیا۔ ایلیٹسن نے قانون کا اتباع تو کیا لیکن مسمرازم کا شوق اسے تادم مرگ لگا رہا اور بعد میں اس نے ایک رسالہ زوئسٹ (Zoist) نکالا جس نے مسمرازم کی شہرت پھیلانے میں کافی مدد دی۔ تاہم اس فن کو علمی دنیا میں وقار حاصل نہ ہوسکا۔

ایلیٹسن کے بعد اس فن کو ترقی دینے میں اہم ترین نام مانچسٹر کے ایک مشہور جراح جیمس بریڈ (James Braid) کا آتا ہے۔ بریم ویل نے اس کے متعلق اپنی تاریخ میں بہت تحقیق ووضاحت کے ساتھ لکھا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ بریڈ نے سب سے پہلے 13 نومبر 1841ء میں ایک مسمری جماعت میں جا کر اس کرشمہ کو دیکھا اور اس سے کافی متاثر ہوا اور پھر چھ روز بعد ایک مرتبہ اور گیا جب کہ مسمرازم کا عمل مریضوں پر ہو رہا تھا۔ اسی دوران میں ایک مریض نے جس پر غفلت طاری کی گئی تھی باوجود تمام کوششوں کے آنکھ نہیں کھولی۔ بریڈ اس چیز کو تاڑ گیا

اورفوراً اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ غفلت محض خارجی اثر کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ اس کا سبب کچھ داخلی کیفیات بھی ہیں جو مریض میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں اس نے پہلا لیکچر 27 دسمبر 1841ء میں مجمع عام کے سامنے دیا اور ایک نئی اصطلاح ہپناطیقیت یا ہپناٹزم ایجاد کی۔ بریڈ ہی وہ پہلا شخص ہے جس نے سائنٹفک انداز پر اس فن کو ترقی دینے کی پوری پوری کوشش کی لیکن ژانے لکھتا ہے کہ بریم ویل نے بریڈ کو غیر معمولی طور پر سراہا ہے اور جن واقعات کا مشاہدہ بریڈ کی طرف منسوب کیا ہے اس کا ذکر پوی سگر (PuyseGur) الیگزینڈر برٹرینڈ (Alexander Bertrand) اور دیلوزی (Deleuze) وغیرہ نے بھی کیا ہے۔1

ژانے کی یہ بات اس وجہ سے قابل قبول نہیں ہے کہ یہ قطعاً بے محل ہے' اگر بالفرض ان لوگوں نے مشاہدہ کیا بھی تو بریڈ کے کارنامے سے اس کا کیا تعلق؟ یہ بات بہرحال تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ "ہپناٹزم" بریڈ کی ایجاد ہے۔ پروفیسر مرفی (Murphy) اس سے اتفاق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بریڈ نے بالآخر اس نظریہ کی صحت کو منوالیا جس کی تعبیر کچھ عرصہ پہلے اس طرح کی جاتی تھی کہ مسمرازم تمام تر دجل وفریب پر مبنی ہے۔ ولیم میکڈوگل کا بیان ہے کہ برٹرینڈ اور بریڈ نے صاف طور پر یہ ثابت کیا کہ ان اثرات کی توجیہہ زیادہ تر نفسیات سے ہونا چاہئے نہ کہ کسی عجیب و غریب فعلیاتی رطوبت سے۔ غرضیکہ بریڈ کی اس دریافت نے مزید تحقیق کی راہ ہموار کردی اور اس طرف توجہ کا رخ از سرِ نو پلٹا لیکن تعجب کی بات ہے کہ 1860ء میں بریڈ کی موت کے بعد انگلستان میں یہ فن بھی عملی حیثیت سے ختم ہوگیا' البتہ 1881ء میں جا کر ایک تحقیقی سوسائٹی مقرر ہوئی جو اس پر کام کرتی رہی جس کے ممبران ولیم جیمس (William James) ہنری سجوک (Henry Sidgwik) اور جے جے ٹامسن (J.J. Thompson) وغیرہ تھے۔ اس نئی دریافت یعنی ہپناٹزم اور ایعاذ کے مقابلے میں مسمرازم تقریباً ماند پڑ چکا تھا اور ژانے کے بموجب 1885ء تک یا اس کے بعد یہ دونوں نظریات بھی مردہ ہو چکے تھے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جس طرح آج کل ایک نظریہ مثلاً ایٹمی طاقت آناً فاناً میں عالمگیر شہرت اختیار کر لیتا ہے اس طرح یہ نہ کر سکے بلکہ انفرادی طور پر کہیں کہیں لوگ ان پر کام کرتے رہے۔

---

1 (ژانے نے ہپناطیقی ایعاذ کی تاریخ پر روشنی ڈالتے ہوئے برٹرینڈ کے بارے میں لکھا ہے جو نظریہ ایعاذ کا بانی ہے۔ برٹرینڈ مسمرازم میں غایت درجہ دلچسپی رکھتا تھا اور اس کا یہ خیال تھا غفلت کی کیفیت خود انسان کے خیال اور اس کی توجہ اور نیز اس کی خواہش کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اس پر کوئی فوق الفطری طاقت کارفرما نہیں ہوتی ہے چنانچہ یہ چیز ایک عرصہ تک موضوع بحث رہی۔

کم وبیش اسی قسم کی ایک بحث مسمرازم شروع ہوتے ہی سیالیوں (Fluidists) اور حیوانیوں (Animalists) کے درمیان چھڑی تھی' اول الذکر کا یہ کہنا تھا کہ بیہوشی غیر مرئی سیال مادے کا نتیجہ ہے جو عامل کے جسم سے نکلتا ہے۔ ثانی الذکر فرقے نے اس کی پرزور تردید کی کیونکہ اس کا خیال تھا کہ بیہوشی ذہنی تغیرات کا نتیجہ ہے۔

انگلستان کے بعد ہپناٹزم کو فرانس کے اطباء نے سنبھالا' جن میں اول ڈاکٹر لیبالٹ کا نام آتا ہے۔ اس نے 1860ء سے اس پر باقاعدہ تحقیق شروع کی اور نانسی (Nancy) میں اپنا سکول قائم کیا اور برن ہائم (Bernheim) کی معاونت میں اس سلسلے میں اقدام کیا۔ میکڈوگل نے لکھا ہے کہ نانسی سکول کے سرکردہ لیبالٹ اور برن ہائم نے بریڈ کے اس نظریئے کو انتہا تک پہنچایا' اور انہوں نے دعویٰ کیا کہ ہپناٹزم ''ایعاذ'' کے سوا کچھ نہیں ہے۔ بریم ویل نے لیبالٹ کے شفاخانے کو اپنی آنکھ سے دیکھا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ 1889ء کے موسم گرما میں وہاں پہنچا اور اس کے شفاخانے کو خلاف توقع پایا۔ یعنی انگلستان کے شفاخانوں کے برعکس اس کا کمرہ پر ہیبت نہیں تھا بلکہ معمولی شفاخانوں کی طرح تھا اور مریض آپس میں بڑے اطمینان سے بات چیت کرتے تھے اور ڈاکٹر سے بھی بے تکلفی سے گفتگو کرتے تھے اور حالت ہپناطیقی کو رونما کرنے میں کچھ دیر نہ لگتی تھی۔ لیبالٹ نے میری خاطر سے کچھ تجربے بھی دکھائے۔ سارا کام دس منٹ میں انجام پاتا تھا اور غفلت سے بیدار ہو کر مریض اکثر یا تو ٹہلنے لگتا تھا یا اپنے کسی دوست سے باتوں میں لگ جاتا تھا۔ ڈاکٹر لیبالٹ مرض کو بآسانی رفع کر دیتا تھا۔ لیبالٹ کے شفاخانے کی نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ وہاں خوف اور ہیبت سے کام نہیں لیا جاتا تھا۔ چنانچہ بریم ویل ایک واقعہ بیان کرتا ہے کہ جس وقت ایک مریض کا علاج کیا جا رہا تھا دو کم عمر لڑکیاں کمرے میں داخل ہوئیں اور لیبالٹ نے اپنی توجہ مریض پر سے ہٹا کر ان کو بے ہوش کر دیا اور ادھر سے بے فکر ہو گیا' تقریباً بیس منٹ کے بعد ایک کی آنکھ کھلی تو اس نے دوسری کو بھی جگایا اور دونوں ہنستی کھیلتی باہر چلی گئیں' یعنی یہ بچوں سے ایک قسم کا مذاق تھا۔ بریم ویل کو یہ چیز بہت پسند آئی۔ لیبالٹ غربا سے بھی بہت محبت کرتا تھا ان کا علاج مفت کیا کرتا تھا۔ لیبالٹ نے اپنی تمام عمر اس فن پر صرف کی مگر جس طرح اس کے کام کی قدر ہونا چاہئے تھی نہ ہوئی۔

اوپر کہا جا چکا ہے کہ 1885ء تک ایعاذ و ہپناٹزم تقریباً معدوم ہو چکے تھے' اس کے بعد کم و بیش بیس برس تک یہ فن چھوٹے اور نام نہاد اطباء کا تختۂ مشق بنا رہا اور بعض مقامات پر اس کے عام مظاہرے بھی ہوئے لیکن سائنسدان اس کو تسلیم کرنے میں جھجکتے ہی رہے۔

اس طویل مدت کے بعد پھر سالپیتریری (Salpetriere) سکول پیرس میں اس کا احیاء ہوا اور اس کا سہرا چارلس رشے (Charles Richit) کے سر رہا۔ درانحالیکہ اوروں نے بھی اس کی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ ان میں سے یہ نام قابل ذکر ہیں۔ کرشر (Kircher) 1877ء؛ زرمک ہوبل (Czermak Heubel) 1877ء؛ پریئر (Preyer)1878ء اور بیرڈ(Beard)1881ء۔

رشے وہ پہلا شخص ہے جس نے تعصب اور غلط فہمی کے پردے کو چاک کر کے ازسرِ نو ہپناٹزم کو ایک وقار عطا کیا۔ رشے نے سائنسدانوں کی توجہ اس طرف مبذول کرائی کہ اگر

ہپناٹزم محض ایک دجل وفریب اور ناجائز فوائد کے حصول کا ایک ذریعہ ہے تو آخر یہ عمل ہزار ہا ہزار انسانوں پر کس طرح کارگر تا ہے؟ کیا ان سب نے مل کر کوئی ایسی صلاح کر رکھی ہے کہ وہ دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکیں گے دراں حالیکہ ان کو اس میں کوئی غیر معمولی فائدہ نہیں پہنچتا۔ مزید یہ کہ سارے معالج جو اس طریقہ کو استعمال کرتے چلے آئے ہیں کیا اتنے جعلی مریض فراہم کر سکتے تھے؟ اس کے ساتھ ساتھ رشے نے ''مشافی النوم'' اور دوسری کیفیات پر جو لوگوں پر طاری کی جاتی تھیں نفسیاتی نقطۂ نظر سے روشنی ڈال کر یہ ثابت کیا کہ ان سب کے لئے نفسیاتی وجوہ بھی ہیں جو ناقابلِ انکار ہیں۔ غرضیکہ اس طرح رشے اپنی انتھک کوششوں اور قوی استدلالات سے ہپناٹزم کو آگے بڑھانے میں کامیاب رہا۔

ژانے کے مطابق پیرس سکول کا بانی یہی ہے۔

شارکو اور پیرس سکول: شارکو (Charcot) ان اساتذہ میں سے ہے جو فرائڈ اور ایڈلر وغیرہ کی صف میں ایک امتیازی مقام رکھتے ہیں اور رشے کی شخصیت اس کے سامنے ماند پڑ چکی ہے۔ سالپیتریری سکول میں اعصابی امراض پر عرصے سے شارکو تحقیق میں مصروف تھا لیکن اس نے اس مسئلہ کو عضویاتی نقطۂ نظر سے دیکھا تھا۔ جس وقت ہپناٹزم نے دوبارہ شہرت حاصل کی تو اس کی نظر بھی اس پر پڑے بغیر نہ رہ سکی کیونکہ اعصابی امراض سے اس کا بلاواسطہ تعلق تھا۔ شارکو نے بجائے نفسیاتی بحثوں میں الجھنے کے اس مسئلہ کو سرے سے ایک نئے انداز پر اٹھایا۔ اس نے دعویٰ کیا کہ ذہن کی فاسد کیفیات (Abnormal State of Mind) اسی وقت ٹھیک طور پر سمجھی جا سکتی ہیں جبکہ ان علامات (Symptoms) پر غور کیا جائے جو مشاہدے میں آتی ہیں، اور جو قطعاً جعلی طور پر پیدا نہیں کی جا سکتیں بلکہ از خود پیدا ہوتی ہیں۔ یہ اس بات کا بھی ثبوت ہیں کہ ذہن میں فی الواقع کوئی تغیر رونما ہوا ہے اور اس میں مصنوعی باتوں کو کوئی دخل نہیں ہے۔ ہناطیقی کیفیت طاری کرنے کے بعد شارکو نے یہ دکھایا کہ بعض پٹھوں کو چھونے سے فالج پیدا ہو سکتا ہے اور انہی کو مختلف طریقہ پر حرکت دینے سے تشنج پیدا ہوتا ہے۔ شارکو کے شاگرد تین مریض عورتوں پر جو اس کے شفاخانے میں تھیں اس قسم کے تجربات کرتے رہتے تھے اور یہ مجمع عام میں بھی دکھائے جاتے تھے۔ دراصل شارکو کو علم العضو (Anatomy) کے مطالعہ نے بڑی مدد دی۔ ان شواہد نے شارکو کی کافی ہمت افزائی کی اور اسے یہ معلوم ہو گیا کہ سابق کی طرح اس کے کارناموں کو کوئی مکر و فریب سے تعبیر نہیں کر سکتا۔ ان تجربوں کے بعد اگلا قدم اس نے یہ اٹھایا کہ ان تمام کیفیات کی تقسیم کی جو ہناطیقی حالت کے بعد پٹھوں کو مختلف حرکتیں دینے سے پیدا ہوتی ہیں چنانچہ ان کی تین بڑی قسمیں سامنے آئیں (1) غفلت وبیہوشی (Lethargy)، (2) سکتہ (Catalepsy)، (3) مشی فی النوم (Somuambulism)۔ معمول کی آنکھوں کو ہپناٹزم سے بند کرنے کے بعد پہلی کیفیت طاری کی جاتی تھی۔ اس کے بعد اگر اس کی آنکھیں فوراً کھول دی جاتی تھیں تو معاً دوسری کیفیت

شروع ہوتی تھی جس میں اس کے اعضا کو اس حالت میں بھی رکھنا ممکن ہوتا تھا جو مصنوعی طور پر ناممکن ہے۔ اس کے بعد سر کے درمیانی حصے (Vertex) کو رگڑ دینے سے تیسری حالت شروع ہو جاتی تھی۔ یہاں یہ واضح رہے کہ یہ تمام حالتیں صرف پٹھوں کو مختلف طریقہ سے حرکت دینے سے پیدا ہوتی تھیں نہ کہ معمول کو اس کا حکم دے کر جیسا کہ مسمری جماعت اور دیگر لوگوں کا طریقہ تھا۔ ان تینوں کو شارکو نے ہپناطیقیت کبریٰ (Major Hypnotism) کا نام دیا۔ اس کے علاوہ ہپناطیقیت صغریٰ (Minor Hypnotism) کی اصطلاح ان کیفیات کے لئے مخصوص کی گئی، جن کا تعلق بلاواسطہ طور پر نفسیات سے تھا۔ مندرجہ بالا تمام کیفیات خالص عضویاتی قوانین کے تحت رونما ہوتی تھیں۔ لیکن یہ واضح رہے کہ ان کا تعلق صرف ان عورتوں سے تھا جو ہسٹیریا کے مرض میں مبتلا رہتی تھیں۔ ہر کس و ناکس میں یہ نہیں پیدا کی جا سکتی تھیں۔ ان تجربات کی بنا پر شارکو نے اپنا ایک نظریہ قائم کیا جسے اس نے 13 فروری 1882ء میں سائنس اکادمی کے سامنے پیش کیا۔ باوجودیکہ اس سے قبل تین مرتبہ حیوانی مقناطیسیت وغیرہ کو اکادمی نے رد کر دیا تھا لیکن اس کا خیر مقدم کیا گیا اس میں شارکو کی شخصیت کو پورا پورا دخل تھا۔ شارکو نے اپنے مقالے میں اس بات کا پورا لحاظ رکھا کہ کوئی بات اس طرح پیش نہ کی جائے کہ لوگوں کو حیرت ہو یا اس کا مشاہدات سے تعلق نہ ہو کیونکہ یہ بات سائنس کے منافی ہے۔

شارکو کو اس میں بہرحال کامیابی ہوئی اور اس کی کامیابی نے اس سدِ راہ کو ہٹا دیا جو فن کی ترقی میں مسلسل حائل ہو رہا تھا اور اب اس کو ایک مضبوط سائنٹفک بنیاد مل گئی۔ ژانے لکھتا ہے کہ اس کے بعد اس موضوع پر بڑی بڑی تصنیفات اور مقالات کا سلسلہ شروع ہو گیا اور سارے یورپ میں اس کا چرچا ہونے لگا۔ مصنفین میں ویزیولی (Vizioli)، لادام (Ladame)، بیبنسکی (Babinske) اور لومبروسو (Lombroso) وغیرہ مشہور ہیں۔ 1884ء میں ان حضرات کی تصانیف نکل رہی تھیں کہ ایک دوسرے سکول کا منشور شائع ہوا جو سالپیٹریری سکول کا حریف ثابت ہوا۔ یہ وہی نانسی سکول ہے جس کا ذکر ہم شروع میں کر آئے ہیں۔

نانسی سکول: ایک سو دس صفحات کے اس منشور کا مصنف پروفیسر برن ہائم تھا جو لیبالٹ کے معاون کی حیثیت سے ایک عرصے سے تحقیق میں مصروف تھا۔ برن ہائم اپنی کتاب کی مقبولیت کے لئے رشئے اور شارکو کا رہینِ منت ہے۔ جس کا خود بھی اس نے اعتراف کیا ہے۔ کیونکہ اگر یہ پہلے سے زمین ہموار نہ کر چکے ہوتے تو شاید اسکی طرف کوئی متوجہ نہ ہوتا۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ 1885ء تک یہ فن کافی تنزل کر چکا تھا اس لئے برن ہائم کا کامیاب ہونا اور بھی مشکل تھا لیکن یہ اتفاقی امر تھا کہ جہاں اس کا زوال ہوا ٹھیک وہیں سے اس کا دوبارہ عروج بھی ہوا۔ برن ہائم طریقہ ایعاذ کو استعمال کرتا تھا جس سے وہ معمول میں سکتہ (Catrlepsy) وغیرہ جیسی کیفیات پیدا کر دیتا تھا۔ ایعاذ دو قسم کا ہو سکتا ہے۔ ایجابی اور سلبی۔ مثلاً اگر معمول سے کہا

جائے کہ وہ ہاتھ نہیں ہلا سکتا تو پھر ہاتھ میں جنبش اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ ایجابی طور پر اس کا بدل کر دیا جائے۔ برن ہائم ایعاذ کے لئے ان الفاظ کو استعمال کرتا تھا۔ ''میری طرف بغور دیکھو۔ اب تم سونے والے ہو' تمہاری آنکھیں خمار آلود ہیں' تکان محسوس ہو رہی ہے' آنکھوں سے پانی نکلنے لگا' دھند طاری ہو گیا' لو وہ پلکیں جھپکنے لگیں' اب تم اپنی آنکھیں نہیں کھول سکتے' تم اب کچھ نہیں کر سکتے'' وغیرہ۔ اس کے بعد تحکمانہ لہجہ میں کہتا تھا ''سو جاؤ''۔

ہپناٹزم کے دوران میں ایک بار برن ہائم نے مریض سے کہا کہ وہ بیدار ہونے پر ہسپتال میں جب داخل ہو گا تو اسے ہر چارپائی پر کتے لیٹے نظر آئیں گے۔ چنانچہ واقعی ایسا ہوا کہ معمول خود کو کتوں کے شفاخانے میں پا کر متحیر ہو گیا۔ برن ہائم کہتا ہے کہ یہ سب معمولی باتیں ہیں جو بآسانی سمجھ میں آ سکتی ہیں۔ ہم فطری طور پر بعض محض فرضی خیال کے تحت بہت سی حرکات کر بیٹھتے ہیں۔ مثلاً چہرے کو گانا سنتے وقت ایک خاص انداز سے بنانا۔ اسی طرح ہاتھوں کو حرکت دینا۔ یہی باتیں بعض حالات میں حد درجہ بڑھ جاتی ہیں اور خیال اس قدر غالب آ جاتا ہے کہ فی الفور حرکت شروع ہو جاتی ہے۔ جب ہم ایعاذ سے قوتِ متخیلہ کو بڑھا دیتے ہیں تو غیر معمولی باتیں رونما ہونے لگتی ہیں۔ اور ضروری نہیں کہ یہ صرف مریضوں تک محدود ہو بلکہ تندرستی کی حالت میں یہ سب کچھ ہو سکتا ہے۔ ہپناٹزم اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ایعاذ کی قوت سے غفلت طاری کر دی جائے۔ برن ہائم کی ان سادہ اور غیر پیچیدہ باتوں سے اس کے معاونین نے پورا فائدہ اٹھا کر ہپناٹزم کو کافی ترقی دی۔

برن ہائم اور اس کے شاگردوں نے اپنی کاوشوں کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے کے لئے اس بات کی بھی کوشش کی کہ ایعاذ سے عضویاتی تغیرات (Physiological Changes) رونما کئے جائیں تا کہ اس بات کا قطعی امکان نہ رہے کہ ان پر فریب کا الزام عائد ہو۔ 1848ء میں شارپ گنن نے یہ کہا تھا کہ ایعاذ سے یہاں تک ممکن ہے کہ جسم پر چھالے پڑ جائیں۔ برن ہائم اس کو خوب سمجھتا تھا۔ چنانچہ اسی بات کو اس نے اٹھایا اور تجربہ شروع کر دیا۔ کافی محنت و کاوش کے بعد یہ دیکھا گیا کہ جسم پر چھالے نمودار ہونے لگے۔ یہ ظاہر ہے کہ یہ کسی طرح بھی جعلی حرکت نہیں کہی جا سکتی تھی۔ اس کے بعد اس قسم کے تجربات میبل۔ بورو اور سیگارڈ وغیرہ نے کئے۔ اسی کے ساتھ ساتھ یہ معلوم کرنے کی کوشش بھی کی گئی کہ آیا ایعاذ سے جرائم کرانا ممکن ہے یا نہیں۔ ''ایعاذ مجرمانہ'' (Criminal Suegestion) کا مسئلہ 1787ء سے چلا آ رہا تھا اور اس پر علی الترتیب 1855ء' 1857ء اور 1858ء میں جوزف پیرے' ڈیورینڈ' بیلنگر' میکاریو اور شارلیگنن نے طویل بحثیں کی تھیں۔ آخری کتاب اس پر 1860ء میں شائع ہوئی۔ 1883ء میں برن ہائم نے ازسرِ نو اس مسئلے کو اٹھایا وہ لکھتا ہے:

''یہ معلوم کرنے کے لئے کہ ایعاذ میں کس حد تک قوت ہے میں نے معمول کے لئے ایک چھوٹا سا ڈرامہ کیا۔ اس کو ایک فرضی آدمی دکھایا جو دروازے پر کھڑا ہے اور یہ کہا کہ اس نے تمہاری

بے عزتی کی ہے۔ اس کے بعد میں نے اس کے ہاتھ میں کاغذ کا چاقو دیا یہ بتاتے ہوئے کہ یہ خنجر ہے اور تم اس سے اسے مار دو۔ معمول نے تیزی سے جست کی اور دروازے میں خنجر بھونک دیا اور پھر ساکت و جامد کھڑا ہو گیا۔ وہ وحشیانہ انداز سے دیکھ رہا تھا اور بری طرح کانپ رہا تھا'' 1 "Revew Philosophigue" کی رپورٹ (1892ء پہلی جلد صفحہ 256) نے بتایا کہ اس وقت پیرس میں دس ہزار سے زیادہ اشخاص ایسے موجود تھے جن کو کسی قسم کے جرم پر بھی ابھارا جا سکتا تھا چنانچہ اس کے لئے قانونی تحفظ کی اپیل کی گئی۔ رپورٹ نے اس بات پر بھی متنبہ کیا کہ ہر مجرم پر مقدمہ چلاتے وقت یہ دیکھ لیا جائے کہ وہ حالت ہپناطیقی میں تو نہیں تھا برن ہائم کے ان تجربات نے لوگوں میں غیر معمولی دلچسپی پیدا کر دی اور بہت سے لوگ اس کے اردگرد جمع ہو گئے لیکن برن ہائم کو یہ صرف تجربہ کی حد تک کرنا تھا اس نے آگے چل کر باقاعدہ امراض پر اس کا تجربہ شروع کر دیا اور یہ معلوم ہوا کہ ہسٹیریا، بعض امراض شکم، مشی فی النوم وغیرہ اس سے بآسانی رفع کئے جا سکتے ہیں۔ اس کامیابی سے نہ صرف یورپ کے ممالک میں نانسی سکول کی شہرت عام ہو گئی بلکہ باہر امریکہ وغیرہ تک اس کا چرچا ہونے لگا۔

جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ نانسی سکول اپنے حریف شارکو کو برداشت نہیں کر سکتا تھا چنانچہ دونوں میں شدید کشمکش شروع ہو گئی جو بالآخر شارکو کی شکست پر منتج ہوئی۔ چونکہ برن ہائم یہ ثابت کرنے میں کامیاب ہو گیا کہ ہپناطیقیت کبریٰ فطری نہیں ہے بلکہ مشق کا نتیجہ ہے۔ ژانے کہتا ہے کہ میں بھی بالآخر اسی نتیجہ پر پہنچا کہ شارکو غلطی پر ہے کیونکہ یہ دیکھا گیا کہ جب اس کے تجربات کو دہرایا تو وہ حالتیں اکثر رونما نہ ہو سکیں جن کو شارکو نے بیان کیا تھا اور دکھایا بھی تھا لیکن کیا اس سے یہ نتیجہ نکالنا درست نہ ہوگا کہ شارکو نے عوام کو دھوکا دیا؟ آخر یہ مشق کون کراتا تھا؟ کیا یہ سب کچھ بھی فریب تھا؟ ژانے اس کو واضح کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ شارکو نے خود کبھی کسی مریض پر جن کو مجمع عام میں لایا جاتا تھا ہپناطیقی کیفیت طاری نہیں کی بلکہ یہ اس کے تلامذہ کرتے تھے جو پہلے سے مریض کو ان حرکات کی مشق کرا چکتے تھے جن کو مجمع میں دکھانا ہوتا تھا۔ تو کیا پھر اس کا مطلب یہ ہوا کہ شارکو کے شاگرد خود اپنے استاد کو اور عوام کو دھوکا دینا چاہتے تھے۔ ژانے نے بڑی کدوکاوش سے تحقیق کر کے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ وہ مریض عورتیں جن میں ہپناطیقیت کبریٰ کی علامتیں رونما ہوتی تھیں شارکو کے زیر علاج ہونے سے قبل ان تمام حالتوں سے بسبب بیماری گذر چکی تھیں اور یہ ہسٹیریا کے مریضوں کی خصوصیات ہیں۔ شارکو کے شاگرد صرف ان کو دہراتے تھے۔ ان خصوصیات کا علم پہلے بھی بہت سے لوگوں کو ہو چکا تھا۔ شارکو جس وقت سائنس اکادمی میں اپنا مقالہ پیش کر رہا تھا تو وہ خوب جانتا تھا کہ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے

---

1 اسی طرح لیگیونے جو برن ہائم کا شاگرد تھا متعدد تجربات کئے اور یہ معلوم کر لیا کہ یہ سب کچھ ایعاذ کے ذریعے ممکن ہے۔ ''ایعاذ مجرمانہ'' کو بڑھتے ہوئے دیکھ کر لوگوں نے اعتراضات کئے اور یہ خطرہ لاحق ہو گیا۔ اس طرح جس سے جو جرم چاہیں صادر کرا سکتے ہیں اور امن عامہ میں خلل پڑ سکتا ہے۔

سرے سے وہ نئی چیز نہیں ہے۔ بلکہ صرف پچھلی باتوں کو سائنٹفک دلائل بہم پہنچائے جا رہے ہیں غرضیکہ برن ہائم نے اس طرح شارکو کے مکتبِ فکر کو ایک سخت دھکا پہنچایا جس سے وہ کبھی عہدہ برآ نہ ہو سکا۔

1892ء میں شارکو کی وفات کے بعد توقع تو یہ تھی کہ برن ہائم کے سکول کو مزید وسعت حاصل ہو گی لیکن ہوا اس کے برعکس۔ اس کے بعد نانسی سکول کا زوال شروع ہو گیا۔ 1892ء سے لے کر 1906ء تک بے شمار کتابیں اور مضامین اس فن پر جرمنی، فرانس، روس، امریکہ اور انگلستان سے نکلتے رہے لیکن 1909ء میں یہ رفتار سست پڑ گئی اور لطف یہ ہے کہ خود برن ہائم کی دلچسپی ادھر سے بہت کم ہو گئی۔ ژانے ہپناطیقیت کے زوال کے دو بڑے اسباب بیان کرتا ہے۔ ایک تو شارکو کی یہ غلطی کہ اس نے ہپناٹزم کی توجیہات بجائے نفسیات کے عضویات سے کیں۔ دوسرے وہ کشمکش جو دونوں سکولوں میں رونما ہوئی اور مدت تک جاری رہی۔ پھر یہ کہ جو حد سے زیادہ جوش و خروش اس فن کے لئے ظاہر کیا گیا اس کا ردِعمل بھی ہوا لیکن یہ پہلو ہمارے نزدیک تمام تر سلبی ہیں۔ ایجابی حیثیت سے اس کا سبب یہ بھی ہے کہ ڈاکٹر سگمنڈ فرائڈ نے تحلیل نفسی کے طریقہ سے دنیا کو روشناس کرا دیا جو ہپناٹزم سے زیادہ قابلِ قبول تھا کیونکہ اس میں کوئی غیر سائنٹفک عنصر شامل نہیں ہے۔ ذیل میں ہم اس کی تفصیل پیش کرتے ہیں۔

تحلیل نفسی: اوپر بیان ہو چکا کہ فروری 1882ء میں شارکو نے اکادمی میں اپنا مقالہ پیش کیا۔ 1884ء میں نانسی سکول کا منشور شائع ہوا۔ ان تمام واقعات نے فرانس کے سکولوں کی شہرت عام کر دی۔ 1885ء میں فرائڈ اپنی بعض اعلیٰ تحقیقات کی وجہ سے وائنا (Vienna) میں اعصابی امراض پر مدرس مقرر ہوا اور یہاں اس نے ایک سربرآوردہ شخص ڈاکٹر بروکسے سے سند لے کر وظیفہ حاصل کیا اور اسی سال پیرس روانہ ہو گیا۔ پیرس میں یہ فوراً سالتپیریری سکول میں طالب علم کی حیثیت سے داخل ہوا اور شارکو سے اچھے روابط قائم کر لئے اور اس سے وعدہ کر لیا کہ اس کے لیکچرز کا ترجمہ جرمن میں کرے گا۔ فرائڈ کہتا ہے کہ شارکو کے ساتھ رہ کر سب سے زیادہ جس چیز نے مجھے متاثر کیا وہ اس کی ہسٹیریا پر تحقیقات ہیں جو میرے چشم دید واقعات ہیں۔ ان ہسٹیریا کے مریضوں کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔ پیرس میں رہ کر فرائڈ کو شارکو سے مشوروں کا کافی موقع ملا جن میں بعض حد درجہ مفید ثابت ہوئے۔ 1886ء میں فرائڈ وائنا واپس آیا۔ یہاں اس نے اپنے فرانس کے تجربات کو دہرایا لیکن اس کی کوئی قدر نہ کی گئی۔ سب سے پہلا اعتراض تو یہی تھا کہ مردوں میں ہسٹیریا پیدا ہونا ممکن ہی نہیں یہ صرف نسوانی مرض ہے۔ فرائڈ کے بیشتر مریض مرد تھے۔ ڈاکٹر جوزف بروئر (Joseph Breuver) نے بتایا کہ لفظ (Hysteron) کے معنی رحم (Uterus) ہیں اور ظاہر ہے کہ اس کا تعلق صرف عورتوں سے ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وائنا کی طبی مجلس سے فرائڈ کے اختلافات بڑھتے گئے اور آخر کار اس کو اسے خیرباد کہنا پڑا۔ تقریباً پورے

سال اسے کہیں لیکچر دینے کا موقع نہ ملا اور اب اسے ذریعۂ معاش کے لئے صرف اپنے شفاخانے پر اکتفا کرنا پڑا جو اس نے نجی طور پر قائم کر لیا تھا۔ فرائڈ اپنے یہاں علاج کے صرف دو طریقے استعمال کرتا تھا۔ ایک بجلی کے ذریعہ جسے (Electrotherapy) کہتے ہیں اور دوسرا ہپناٹزم جس میں ثانی الذکر زیادہ موثر ثابت ہوا' اس میں دقت یہ پیش آتی تھی کہ ہر شخص پر کیفیت ہپناطیقی طاری نہیں ہوتی تھی۔ دوسرے یہ کہ بعض افراد میں گہری نیند یا غفلت نہیں پیدا ہوتی تھی لیکن ان سب دقتوں کے باوجود اس طریقہ کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔ اسی دوران میں فرائڈ نے نانسی سکول کا شہرہ سنا اور طے کر لیا کہ وہ مزید تربیت حاصل کر کے اپنے طریق کار کے نقص کو دور کر دے گا۔ چنانچہ 1884ء میں وہ نانسی روانہ ہو گیا اور وہاں جا کر برن ہائم کے عجیب وغریب کارنامے دیکھے۔ نانسی ہی کے دوران قیام میں فرائڈ کے ذہن پر اس خیال نے تسلط کر لیا تھا کہ ذہن میں بعض قوتیں شعوری سطح سے نیچے بھی ہیں جو برابر اپنا کام کرتی رہتی ہیں اور شعور پر اس کا اثر ضرور پڑتا ہے۔ نانسی جاتے وقت فرائڈ اپنے ساتھ ایک مریضہ کو بھی لے گیا تھا جو عرصہ سے ہسٹیریا میں مبتلا تھی اور بار بار علاج کرانے کے بعد بھی بیماری عود کر آتی تھی۔ اسے اس نے برن ہائم کے سامنے پیش کیا لیکن وہ اس کے علاج سے قاصر رہا۔ اس واقعہ سے اور ویسے بھی ایک عرصے تک وہاں رہ کر فرائڈ کو ہپناٹزم کے حدود کا اندازہ ہو گیا اور نانسی سے واپس آ کر اس نے دوبارہ اپنا سابق کام شروع کر دیا۔

واپس آنے پر فرائڈ نے ڈاکٹر جوزف بروئر سے جو وائنا کا مشہور ڈاکٹر تھا تعاون حاصل کر لیا۔ بروئر اس زمانے میں ایک نوجوان لڑکی کا علاج کر رہا تھا۔ یہ لڑکی فالج، تشنج اور انتشار ذہنی جیسے امراض میں مبتلا تھی اور اسے یہ تمام امراض اپنے والد کی تیمارداری میں جبکہ وہ بیمار تھا شروع ہوئے تھے۔ دورانِ علاج میں بروئر نے اتفاق سے یہ معلوم کر لیا کہ اگر ہپناطیقی حالت میں لڑکی سے کہا جائے کہ تم اپنے خیالات کا خواہ وہ کچھ ہی کیوں نہ ہوں آزادانہ اظہار کرو تو بعد میں اس سے اسے کافی سکون ہو جاتا تھا۔ اس کی بنا پر بروئر نے ایعاذ کو تقریباً ترک کر کے اسے اپنا لیا اور اور یہ واقعی بالکل نئی چیز ثابت ہوئی۔ اس طریقہ کو بار بار استعمال کرنے سے یہ دیکھا گیا کہ مریضہ روبصحت ہوتی چلی گئی اور تمام محوشدہ خیالات بآسانی ذہن میں آنے لگے اور بالآخر یہ سلسلۂ خیالات بچپن تک پہنچا جبکہ وہ لڑکی اپنے باپ کی تیمارداری میں مصروف تھی اور اسے یہ امراض شروع ہوئے تھے۔ بروئر اس نتیجے پر پہنچا کہ دورانِ تیمارداری میں اسے اپنی کسی تیز خواہش کو ضبط کرنا پڑا اور اس وجہ سے علامتیں رونما ہو گئیں کیونکہ اس وقت اس کا ذہن متضاد خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ کچھ عرصہ بعد یہ لڑکی بالکل ٹھیک ہو گئی اور بروئر کو اپنے اس نئے طریقہ میں کامیابی ہوئی۔ فرائڈ کو یہ طریقہ بہت پسند آیا اور اس نے اپنے مریضوں پر اس کا اطلاق شروع کر دیا۔ 1893ء میں دونوں نے مل کر ایک مضمون بعنوان (On The Psychical Mechanism of Hysterical Phenomena) شائع کرایا اور اس کے بعد ایک کتاب (Spedieu Uber Hysterie) شائع ہوئی جس میں اس بات پر زور دیا گیا کہ انسانی زندگی میں جذبات واحساسات کو

اہم ترین مقام حاصل ہے اور دوسرے یہ کہ ذہن کے متعلق گفتگو کرتے وقت شعور اور لاشعور کی تقسیم ضروری ہے لیکن یہ نظریات بہر حال نامکمل تھے اور اس وجہ سے ان کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی۔

بروئر نے اپنے طریقہ کا نام ''اسہال'' (Catharsis) رکھا تھا اور یہ ہپناطیقیت اور ایعاذ سے ایک اگلا قدم تھا۔ اس کے بعد اگلا قدم پھر فرائڈ نے رکھا جس کے بارے میں خود اسی کی یہ رائے ہے کہ ابھی میرے طریقے میں اضافے کے بہت امکانات باقی ہیں اور کافی گنجائش ہے۔ یہ اگلا قدم کیسے اٹھایا گیا اسے فرائڈ نے اپنی سوانح حیات میں تفصیل سے بیان کیا ہے، جس کا ذکر ابھی آتا ہے۔ کچھ عرصے کام کرنے کے بعد بروئر نے اس سے علیحدگی اختیار کر لی۔ اس کا سبب کچھ تو فرائڈ اور اس کے باہمی اختلافات تھے اور ایک اور اہم وجہ بھی تھی جسے ہم آگے بیان کریں گے لیکن بروئر نے اسہال کا طریقہ معلوم کر کے فرائڈ کو آگے بڑھنے کا موقع بہم پہنچایا۔ یہ کچھ کام اسی قسم کا تھا جو لامارک (Lamarck) وغیرہ ڈارون (Darwin) کے لئے کر گئے تھے۔ فرائڈ نے اس پر تحلیل نفسی کا اضافہ کر کے نفسیات اور دیگر شعبوں میں ایک عالمگیر انقلاب برپا کر دیا۔ وہ لکھتا ہے کہ مجھے اپنے سرعت سے بڑھتے ہوئے تجربات نے یہ بتایا کہ امراض کا سبب محض دبے ہوئے جذبات ہی نہیں ہیں بلکہ ان کی اصل نوعیت جنسی بھی ہے۔ یعنی امراض کے پیچھے کچھ جنسی اسباب کام کر رہے ہیں لیکن میں اس پر فی الحال کوئی فیصلہ کرنے کو تیار نہیں تھا۔

''1914ء میں جبکہ میں تحلیل نفسی کی تاریخ مرتب کر رہا تھا میرے ذہن میں شارکو اور بروئر وغیرہ کے اشارات گھوم رہے تھے جو انہوں نے جنسیات کی اہمیت کو واضح کرنے کے لئے کئے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر ہیولوک ایلس (Havelock Ellis) کے مضامین سے میرے اس خیال کو اور بھی تقویت پہنچی اور میں نے اس مسئلہ کو اپنے مطالعہ کا محور بنا لیا''۔۔۔ گہرے مطالعہ اور قریبی مشاہدے نے فرائڈ کو بتایا کہ مرضِ ضعفِ عصبی (Neuresthenia) کے پیچھے صریحاً جنسی اسباب کثرتِ جلق، سرعتِ انزال، یا خواہشِ جنسی کو حد سے زیادہ دبائے رکھنا وغیرہ کام کر رہے ہیں۔ اس سے اس کو امراض ذہنی میں جنسی اسباب کی اہمیت کا پختہ یقین ہو گیا اور اب اس نے اس پر برابر مضامین لکھنا شروع کئے، لیکن ان کا بجز ایک محدود حلقے کے کہیں خیر مقدم نہیں ہوا۔ غرضیکہ ہپناطیقیت کی محدودیت اور اس تحقیق نے فرائڈ کو اس بات پر ابھارا کہ وہ اب کوئی ایسا طریقہ علاج دریافت کرے جو اول الذکر سے زیادہ موثر ثابت ہو۔ وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اس کو ایک اور دقت پیش آئی اور یہ وہی تھی جس نے بروئر کو اس پیشے سے علیحدگی اختیار کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ بروئر جس نوجوان مریضہ کا علاج کر رہا تھا اس نے صحت مند ہونے کے بعد اپنے معالج سے اظہارِ عشق شروع کر دیا جو برابر شدت اختیار کرتا گیا۔ بروئر کے لئے یہ چیز سخت پریشان کن تھی اور بجائے اس کے کہ وہ اس کی تحقیق کرے وہ سرے سے اپنے پیشے ہی کو چھوڑ بیٹھا۔ فرائڈ نے اس واقعہ کو گہری نظر سے دیکھ لیا تھا اور کسی طرح بھی اس کو بے معنی نہیں سمجھتا تھا۔ جس وقت خود فرائڈ کے ساتھ یہ ہوا تو وہ کمال دانشمندی سے اس نتیجہ پر پہنچ گیا کہ یہ

عشق تمام تر مصنوعی ہے اور کسی پہلے فراموش کردہ عشق کا احیاء ہے جو (Catharsis) کے سبب سے شعوری سطح پر آ کر اپنا اظہار کر رہا اور اب تک لاشعور کی تاریکیوں میں پنہاں تھا۔ فرائڈ نے اس کا نام ''منتقل شدہ محبت'' (Transferred Love) رکھا۔ یہ تحلیل نفسی میں ایک اہم ترین چیز ہے۔ اس وقت نے مزید اسے کوئی نیا طریقہ دریافت کرنے پر مجبور کر دیا۔ اس کے علاوہ اگر کوئی اور ممکن صورت ہوسکتی تھی تو وہ یہی تھی کہ بجائے غفلت کے، عالم بیداری میں ''اسہال'' کو عمل میں لایا جائے۔ اس خیال کے آتے ہی اس کا ذہن ایک ایسے واقعہ کی طرف پلٹا جو نانسی کے دورانِ قیام میں اس نے دیکھا تھا۔ یہی وہ واقعہ ہی جس کی مدد لے کر فرائڈ نے فیصلہ کن قدم اٹھایا اور بالآخر وہ طریقہ معلوم کر لیا جسے ہم تحلیلِ نفسی کے نام سے جانتے ہیں۔۔۔ وہ واقعہ یہ تھا کہ برن ہائم کے بعض مرضاء ہپناطیقی کیفیت کے ختم ہونے کے بعد وہ تمام باتیں بھول جاتے تھے جو اس عالم میں وہ بیان کیا کرتے تھے۔ لیکن برن ہائم اس بات پر مصر تھا کہ یہ ساری باتیں ان کے حافظہ میں موجود ہیں اور اس کا ان کو قطعاً شعور نہیں ہے لیکن اگر عالم بیداری میں پیہم اس بات پر زور دیا جائے کہ وہ ان کو بیان کریں اور نیز یہ کہ وہ سب باتیں دہرائی جائیں تو ممکن ہے مریض کو یاد آ جائیں اور وہ ان کو بیان کرنے لگے۔ کیسی عجیب بات ہے کہ برن ہائم اس اہم ترین نقطہ کو نظر انداز کر گیا ورنہ اگر وہ اس بات پر تجربات شروع کر دیتا تو ممکن تھا کہ تحلیل نفسی کا بانی بجائے فرائڈ کے برن ہائم ہوتا اور آسٹریا کے بجائے فرانس کو یہ سعادت نصیب ہوتی۔ مزید یہ کہ برن ہائم عرصے سے ہپناطیقیت کا استعمال کر رہا تھا اور فرائڈ کی بہ نسبت وہ اس کے نشیب و فراز سے زیادہ واقف تھا اور لیبالٹ کے سارے تجربات اس کی آنکھوں کے سامنے تھے پھر بھی اس کی نظر اس پر نہ پڑ سکی۔ فرائڈ اس بات کو بھی اسی طرح سمجھ گیا جس طرح اس نے جنسی مسئلہ کو سمجھا تھا، یا بروئر کے معاملہ میں جعلی اور مصنوعی عشق کو۔ اس خیال کے پیش نظر فرائڈ نے فوراً اپنا رخ بدل دیا اور برن ہائم کے اصول پر تجربات شروع کر دیئے۔ یہ طریقہ ''تحلیل نفسی'' (Psychoanalysis) ہے۔ فرائڈ کا دستور یہ تھا کہ وہ مریض کو ایک نرم صوفے پر لٹا کر کہتا کہ وہ اپنے ہاتھ پاؤں ڈھیلے کر دے اور بالکل آرام سے لیٹ جائے۔ اس کے بعد جو کچھ خیال اس کے ذہن میں آئے وہ فوراً اسے زبان سے ادا کر دے۔ وہ خود اس طرح مریض کے پیچھے بیٹھ جاتا کہ اس کی (مریض کی) نگاہ اس پر نہ پڑ سکے یہ تحلیل نفسی کی مخصوص تکنیک ہے جسے فرائڈ برابر استعمال کرتا رہا۔ مریض کے ذہن سے نکلے ہوئے خیالات دراصل مرض کی تشخیص کا ذریعہ ہیں۔ اس کے علاوہ وہ خواب جو مریض دیکھتا ہو ایک خاص اہمیت رکھتے ہیں۔

اب غور یہ کرنا ہے کہ تحلیل نفسی کا اصل الاصول کیا ہے؟

سارے ذہنی امراض یعنی وہ جو نفسیاتی اسباب کی بنا پر رونما ہوتے ہیں ان دبی ہوئی خواہشات کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں جو لاشعور میں موجود رہتی ہیں اور کبھی ختم نہیں ہوتیں۔ ان کی وجہ سے برابر ایک کشمکش جاری رہتی ہے جس سے انسان بالکل

غافل ہوتا ہے کیونکہ وہ لاشعور میں واقع ہوتی ہے لیکن اس کے تباہ کن اثرات مستقل شعور پر پڑتے رہتے ہیں جس سے ذہنی صحت خراب رہتی ہے۔ تحلیلِ نفسی سے چونکہ لاشعوری خیالات ابھر آتے ہیں اس لئے یہ کشمکش بھی شعوری سطح پر آ جاتی ہے اور انسان کو اسے ختم کر دینے میں دقت نہیں ہوتی اور اس طرح اس کے اثرات سے ذہن محفوظ ہو جاتا ہے۔ تحلیلِ نفسی کی اصطلاح دراصل ان تمام نظریات کے لئے استعمال ہوتی ہے جن کو فرائڈ اس طریقہ کو دریافت کر لینے کے بعد برابر پیش کرتا رہا۔ جن میں نظریہ لاشعور، جنس، خواب اور نظریۂ حیات وموت اہم ترین ہیں لیکن ہم کو اس وقت انہیں پیش کرنا مقصود نہیں ہے۔

ان مختصر اشارات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تحلیل نفسی، ہپناطیقی ایعاذ اور مسمرازم کی ایک ترقی یافتہ شکل ہے اور کوئی اتفاقی چیز نہیں ہے کیونکہ جس طرح نیوٹن کے لئے کوپر نیکس، کپلر اور گلیلیو نے زمین ہموار کی اسی طرح فرائڈ کے لئے لیبالٹ، شارکو اور برن ہائم نے کی۔ فرائڈ نے بیشتر باتیں فرانس کے سکولوں سے حاصل کیں اور ان پر اپنا ایک مخصوص نظامِ فکر تعمیر کیا جو اوروں سے بالکل مختلف تھا اور یہی اس کا اصل کارنامہ ہے۔ ورنہ اگر وہ ہپناٹزم کے فرسودہ طریقہ پر قناعت کر لیتا تو غالباً جدید نفسیاتِ فاسدہ اسی مقام پر ہوتی جس پر وہ مسمر کے زمانے میں تھی کیونکہ پیرس اور نانسی کے سکول جو اس کی ترقی کا باعث تھے آپس کی کشمکش سے ختم ہو چکے تھے اور ہپناٹزم کی بھی کوئی وقعت باقی نہ رہی تھی۔

تفسیر القرآن از۔ سرسید احمد خان

سابقہ سات جلدیں، دوخوبصورت جلدوں میں، ہدیہ -/1500 روپے علاوہ محصول ڈاک۔

ملنے کا پتہ: مکتبۂ اخوت، اخوت سنٹر (مچھلی منڈی) اردو بازار، لاہور۔

فون: 042-37235951، موبائل: 0333-4298184

طلوع اسلام ٹرسٹ سے بھی دستیاب ہے۔ فون نمبر: 042-35753666

ایک عظیم قرآنی خزانہ

قرآن مجید پر غور و فکر کرنے والوں کے لئے خوشخبری

مفکرِ قرآنِ مجید علامہ پرویزؒ صاحب کی زندگی بھر کی قرآنی بصیرت کو دیکھا اور سنا جا سکتا ہے۔

WWW.QURANBREEZE.COM, WWW.TOLUISLAM.COM

سی ڈی اور کتب کی خریداری
☆ بیرون ملک bazmdenmark@gmail.com, PDF.EBOOK
☆ اندرون ملک، فون: 35753666 42 92+، ای میل: trust@toluislam.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شاہد محمود بٹ
sila.law@gmail.com
موبائل:0333-4238084

الصلوٰۃ

(یہ اہلِ حق) وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار دیں (تو) وہ نماز (کا نظام) قائم کریں اور زکوٰۃ کی ادائیگی (کا انتظام) کریں اور (پورے معاشرے میں نیکی اور) بھلائی کا حکم کریں اور (لوگوں کو) برائی سے روک دیں اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔(42:41)-

☆ ''صلوٰۃ'' کی اصطلاح معنوی اعتبار سے بہت وسعت و جامعیت کی حامل ہے۔اس کے بنیادی معنی اطاعت واتباع کے ہیں۔

☆ ''اقامت صلوٰۃ'' کا مفہوم اللہ کی مکمل اطاعت و اتباع ہے۔

☆ اصطلاح صلوٰۃ میں نماز بھی شامل ہے۔

☆ جب کوئی مسلمان اپنی زندگی کو اللہ کی مرضی کے مطابق ڈھال لیتا ہے تو وہ زندگی کے ہر گوشے میں صلوٰۃ کو اپنا لیتا ہے۔

☆ ''اقامت الصلوٰۃ'' کے نتیجے میں ایسا معاشرہ تشکیل پائے گا جس کا تمام نظام اللہ تبارک و تعالیٰ کی مرضی و منشاء کے مطابق ہو گا جس کی روشن مثال رحمت اللعالمین رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں مدینۃ النبی ﷺ کی صورت میں ملتی ہے۔

☆ ''اقامت الصلوٰۃ'' سے پورا ایک نظام مراد ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینۃ النبی ﷺ میں قائم کر کے دکھایا جس میں افراد اپنے ذاتی مفادات کے حصول کی بجائے احکامات الٰہیہ کی مکمل پیروی کرتے ہیں اور منجانب اللہ متعین کردہ نصب العین کی جانب بڑھتے چلے جاتے ہیں۔

☆ اس طرح ایک ایسا مکمل اسلامی نظام قائم ہو جاتا ہے جو رسول اللہ ﷺ مدینۃ النبی ﷺ میں قائم فرما چکے اور خلفائے راشدینؓ نے اسے دنیا کے طول وعرض میں پھیلا دیا۔

یہ اک ایسا نظام ہوتا ہے جس کے قیام کی بابت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

☆ مومنوں کی تو یہ بات ہے کہ جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف بلائے جائیں تا کہ وہ ان میں فیصلہ کریں تو کہیں کہ ہم نے (حکم) سن لیا اور مان لیا اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔(24:51)-

☆ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرے گا اور اس سے ڈرے گا تو ایسے ہی لوگ مراد کو پہنچنے والے ہیں۔ (24:52)-

☆ اور وہ لوگ اللہ کی بڑی بھاری (تاکیدی) قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر آپ انہیں حکم دیں تو نکل کھڑے ہوں آپ فرمادیں کہ تم قسمیں مت کھاؤ (بلکہ) معروف طریقہ سے فرمانبرداری درکار ہے۔ بے شک جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے۔(24:53)-

☆ فرمادیجئے کہ ''اللہ کی اطاعت کرو اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو'' پھر اگر تم اطاعت نہیں کرو گے تو رسول ﷺ کے ذمہ تو وہی ہے جس کے وہ مکلّف ہیں اور تمہارے ذمہ وہ ہے جس کے تم مکلّف ہو اور اگر تم رسول ﷺ کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے اور رسول ﷺ کے ذمہ صرف یہ ہے کہ پیغام پہنچادے۔(24:54)-

☆ اللہ نے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے جو تم میں سے ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے انہیں ضرور زمین میں خلافت دے گا جیسے ان کے پہلوں کو خلافت دی۔ اور ان کے لئے ان کے دین کو جسے اس نے ان کے لئے پسند فرمایا ہے۔ (غلبہ و اقتدار کے ذریعے) مضبوط و مستحکم فرما دے گا اور وہ ضرور (اس تمکن کے باعث) ان کے پچھلے خوف کو (جو ان کو سیاسی معاشی اور سماجی کمزوری کی وجہ سے تھا) ان کے لئے امن و حفاظت کی حالت سے بدل دے گا' وہ (بے خوف ہو کر) میری عبادت کریں گے میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے (یعنی صرف میرے حکم اور نظام کے تابع رہیں گے) اور جس نے اس کے بعد ناشکری (یعنی میرے احکام سے انحراف و انکار) کو اختیار کیا تو وہی لوگ فاسق (و نافرمان) ہوں گے۔(24:55)-

☆ اور تم نماز (کے نظام) کو قائم رکھو اور زکوٰۃ کی ادائیگی (کا انتظام) کرتے رہو اور رسول ﷺ کی (مکمل) اطاعت بجالاؤ تا کہ تم پر رحم فرمایا جائے (یعنی غلبہ و اقتدار و استحکام اور امن و

حفاظت کی نعمتوں کو برقرار رکھا جائے)۔ (24:56)-

☆ اور یہ خیال ہرگز نہ کرنا کہ انکار و ناشکری کرنے والے لوگ زمین میں (اپنے ہلاک کئے جانے سے اللہ کو) عاجز کر دیں گے اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔ (24:57)-

مزید برآں سورۃ الشوریٰ میں فرمایا:

☆ اور جو لوگ اپنے رب کا فرمان قبول کرتے ہیں اور نماز قائم رکھتے ہیں (اقامت صلوٰۃ کرتے ہیں) ان کا (ہر) کام آپس کے مشورہ سے ہوتا ہے اور جو رزق ہم نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ (42:38)-

☆ اقامت الصلوٰۃ وہ اجتماعی نظام ہے جو مکمل اطاعت الٰہی و اطاعت رسول اللہ ﷺ کے نتیجے میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اور آخر کار تمکن فی الارض حاصل ہوتا ہے۔

☆ اس میں تمام امور باہمی صلاح مشورے سے طے و سرانجام پاتے ہیں۔

☆ اور رزق (تمام اقسام کی نعمتیں بشمول خوراک، علم، مال و جان، صلاحیتیں وغیرہ) اللہ کی راہ میں اس کے احکامات کے مطابق، اللہ کی مرضی ومنشاء کی تکمیل کے لئے کھلا رکھا جاتا ہے۔ جس کے نتیجے میں مدینۃ النبی ﷺ جیسے معاشرے تشکیل پاتے ہیں۔

مصلین قرآن کی روشنی میں

(1) اپنے رب کی رضا جوئی کے لئے ''صبر'' کرتے ہیں۔ (13:22)-

(2) نیکی کے ذریعہ برائی کو دور کرتے ہیں۔ (13:22)-

سورۃ المعارج (70)، آیت نمبر 21 تا 34 کی روشنی میں:

(3) جو اپنی صلوٰۃ پر ہمیشگی سے قائم رہتے ہیں۔

(4) ان کے مال میں مانگنے والوں اور سوال سے بچنے والے محرومین کا حصہ بطور حق ہوتا ہے۔

(5) جو ظہور نتائج کے دن کی تصدیق کرتے ہیں۔

(6) اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں۔

(7) اپنی عصمت کی حفاظت کرتے ہیں۔

(8) امانت دار ہیں۔

(9) وعدوں کی پاسداری کرتے ہیں۔

(10) شہادتوں/گواہی پر قائم رہتے ہیں۔

(11) اور صلوٰۃ کی حفاظت کرتے ہیں۔

سورۃ الماعون (107) کی روشنی میں:

(12) یتیم کی کفالت کرتے ہیں۔

(13) مسکین کو کھانا کھلاتے ہیں۔

(14) ریاکاری سے بچتے ہیں۔

(15) اور استعمال کی چیزوں/ وسائل کو لوگوں کے لئے کھلا رکھتے ہیں۔

اور سورۃ مدثر (74) کی آیات 45 تا 46 کی روشنی میں وہ لوگ دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔

(1) جو مصلین نہیں ہوں گے۔

(2) مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتے ہوں گے (ان کے روزگار کا بندوبست نہیں کرتے ہوں گے)۔

(3) بے ہودہ مشاغل والوں کے ساتھ مل کر بے ہودہ مشاغل میں مصروف رہتے ہونگے اور روز جزا کو جھٹلاتے ہونگے۔

خلاصۂ مضمون

اللہ تعالیٰ قرآنِ حکیم میں فرماتے ہیں:

سورۃ ہود (11) کی آیت 87۔

وہ بولے: اے شعیبؑ! کیا تمہاری نماز تمہیں یہی حکم دیتی ہے کہ ہم ان (معبودوں) کو چھوڑ دیں جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے رہے ہیں یا یہ کہ ہم جو کچھ اپنے اموال کے بارے میں چاہیں (نہ) کریں؟ بے شک تم ہی (ایک) بڑے تحمل والے ہدایت یافتہ (رہ گئے) ہو۔

سورۃ الرعد (13) کی آیت نمبر 22۔

اور جو لوگ اپنے رب کی رضا جوئی کے لئے صبر کرتے ہیں اور نماز قائم رکھتے ہیں اور جو رزق ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور اعلانیہ (دونوں طرح) خرچ کرتے ہیں اور نیکی کے ذریعہ برائی کو دور کرتے رہتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت کا (حسین) گھر ہے۔

مندرجہ بالا آیات قرآنی سے یہ عیاں ہے کہ ''الصلوٰۃ'' ایک مکمل نظام ہے جو معاشی' معاشرتی' سیاسی تمام پہلوؤں کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور نماز اس کا ایک جز ہے' اور اس پورے نظام کے نفاذ کے لئے ایک مسلسل مشق ہے اور اگر اس مسلسل ریاضت کا وہ مثبت نتیجہ جو الصلوٰۃ کے جامع نظام کی شکل میں اللہ ہماری زندگیوں میں انفرادی و اجتماعی طور پر دیکھنا چاہتا ہے' برآمد نہیں ہوتا تو ہمیں ذرا رک کر سوچنا چاہئے کہ کہیں ہم نے الصلوٰۃ کو صرف نماز تک تو محدود نہیں کر دیا؟

الصلوٰۃ کو قائم کرنے والے اپنی ہر سانس اللہ تبارک وتعالیٰ کی مرضی کے مطابق لیتے ہیں۔ ہر لمحہ اسی کی رضا کے لئے بسر کرتے ہیں۔ ان کا مال اللہ کی رضا کے لئے' اس کی مخلوق کی نشو ونما کی ضروریات پوری کرنے کے لئے اور ان کے اسبابِ روزگار کو مہیا کرنے کے لئے خرچ ہوتا

ہے۔ ان کی صلاحیتیں معاشرے میں اللہ کے احکامات کی تکمیل کے لئے صرف ہوتی ہیں اور وہ اپنی صلاحیتوں کو بھی ساری خدائی کی فلاح و بہبود کے لئے وقف کر دیتے ہیں۔

دن بھر میں پانچ دفعہ نماز کے لئے جب وہ جمع ہوتے ہیں تو انہیں ''الصلوٰۃ'' کے قیام کے لئے نئے سرے سے عزم و حوصلہ ملتا ہے۔

وہ مسجد و جامع مسجد میں نماز کے لئے جاتے ہیں تو اِس سے معاشرے کی حالت زار اور قرآنی معاشرہ کے قیام کے لئے مجموعی حالات کا پتہ بھی چلتا ہے۔ اور وہ اپنی خداداد صلاحیتوں اور اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کا منہ اللہ کی رضا کے حصول کے لئے اور قرآنی معاشرہ/ نظام کی تشکیل کے لئے کھول دیتے ہیں اور اس طرح وہ اللہ کے رنگ میں رنگے جاتے ہیں۔

(کہہ دو ہم) اللہ کے رنگ (میں رنگے گئے ہیں)
اور کس کا رنگ اللہ کے رنگ سے بہتر ہے اور ہم تو
اسی کے عبادت گزار ہیں۔(2:138)-

''اقامت الصلوٰۃ'' انسانیت کی فلاح کا واحد منشور و عملی پروگرام ہے جو اسلام کے ماتھے کا جھومر ہے اسی لئے مسلمان کل انسانیت کی بھلائی بلا امتیاز رنگ و نسل کرنے والی واحد قوم ہے۔

آپ کی شکایت

یہ بھی درست کہ رسالہ نہیں پہنچا یا وقت پر نہیں ملا **اور یہ بھی** کہ تعمیل ارشاد میں تاخیر ہوئی یا اس میں کوئی فروگزاشت ہوئی۔

لیکن کیا آپ نے اس پر بھی غور فرمایا کہ آپ نے

۱۔ تبدیلی پتہ کی بروقت اطلاع دی ہے یا نہیں۔
۲۔ خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر لکھا ہے یا نہیں۔
۳۔ زرشرکت ادا ہوا ہے یا نہیں۔
۴۔ اپنے علاقے کے پوسٹ کوڈ کی اطلاع دی ہے یا نہیں۔

اہم اعلان

ادارہ طلوع اسلام کے زیر اہتمام شائع ہونے والے ماہنامہ طلوع اسلام کی

فی شمارہ قیمت 25 روپے

سال بھر کے لئے قیمت 300 روپے۔ **(ادارہ طلوع اسلام)**

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خواجہ ازہر عباس، فاضل درسِ نظامی
azureabbas@hotmail.com
www.azharabbas.com

پرستش کرنا، قرآن کریم کے خلاف ہے

حضرت امام حسینؓ سے کسی نے سوال کیا کہ سورہ اخلاص میں آمدہ لفظ صمد کے کیا معنے ہیں، تو امام عالی مقام نے فرمایا کہ لفظ صمد کے بعد جو الفاظ اس کے متصل آئے ہیں انہوں نے خود لفظ صمد کی یہ وضاحت کر دی کہ صمد سے مراد وہ ہستی ہے جو لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ O وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُواً اَحَدٌ (4-112:3)۔ یعنی صمد وہ ہستی ہے کہ وہ نہ کسی سے پیدا ہوا، نہ اس سے کوئی پیدا ہوا، اور اس کے جوڑ کا بھی کوئی نہیں ہے۔ قرآن کریم نے لفظ صمد کی کیسی عمدہ اور واضح تفسیر خود ہی کر دی ہے اور حضرت امام عالی مقام نے کیسا اچھا اشارہ اس تفسیر کی طرف فرمایا ہے۔ قرآن کریم نے اپنے الفاظ کی جس جگہ بھی خود تفسیر کی ہے، وہ اتنی ہی جامع و مانع اور Comprehensive ہوتی ہے کہ اس میں جائے فرار باقی نہیں رہتی۔ قرآن کریم نے اتنی ہی واضح تعریف لفظ عبادت کی، کی ہے کہ اس تعریف میں بھی کوئی راہِ فرار باقی نہیں رہتی جبکہ فرمایا کہ: **اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ** (2:178)۔ آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام۔ یہاں قرآن کریم نے لفظ عبد کو حُرّ کے مقابلہ میں لاکر، روز روشن کی طرح واضح کر دیا کہ عبد اپنے مالک کا غلام ہوتا ہے، پرستندہ، یعنی اس کی پرستش کرنے والا نہیں ہوتا۔ ایک غلام (عبد) اپنے آقا کے احکامات کی تعمیل کرتا ہے، اس کی پرستش یا پوجا نہیں کرتا۔ اس کو سامنے بٹھا کر اس کی پوجا نہیں کرتا۔ یہاں عبد کو حر کے مقابلہ میں استعمال کرنے کی وجہ سے عبد کے معنے واضح ہو جاتے ہیں۔ دوسری جگہ پھر قرآن کریم عبد کو خود ہی Define کر دیتا ہے جب فرمایا کہ: **عَبْداً مَّمْلُوكاً لَّا يَقْدِرُ عَلَى شَيْءٍ** (16:75)۔ ایک غلام جو دوسرے کی ملکیت میں ہے اور کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا۔ امام راغب نے اس آیت کا ترجمہ لکھا ہے ایک غلام جو بالکل دوسرے کے اختیار میں ہے، اس آیت میں بھی یہ وضاحت ہوگئی ہے کہ عبد دوسرے کے اختیار میں ہوتا ہے۔ اس جگہ بھی اس بات کی وضاحت فرما دی کہ وہ کسی کے اختیار میں ہونے کے باوجود اس کی پرستش نہیں کرتا۔ صرف ان دو آیات سے ہی عبادت کا مفہوم اس قدر واضح ہو جاتا ہے کہ اس میں پرستش کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

چونکہ اسلام کے علاوہ ہر مذہب میں پرستش کا ہی تصور ہے اور کچھ پرستش میں اتنی جاذبیت اور کشش بھی ہے کہ انسانی طبائع خود اس کی طرف مائل ہوتی ہیں۔ ہم مسلمانوں میں بھی پرستش کو ہی مقصدِ حیات سمجھا جاتا ہے اور ہم صدرِ اول کے فوری بعد سے جب دین مذہب میں تبدیل ہوا' پرستش ہی کرتے چلے آ رہے ہیں اور یہ پرستش ہی ہمارے زوال کا اولین سبب ہے۔ ہم نے اپنے تمام ارکانِ دین کو' دین کے ارکان کے بجائے' پرستش کے ذرائع بنا لیا ہے۔ اور جب کوئی شخص ان پرستش کی رسوم کی دینی توجیہ کر کے' ان کی بحیثیت رکن دین کے وضاحت کرتا ہے' تو ہم اس کو تسلیم کرنے میں تامل کرتے ہیں کیونکہ ہم پرستش کی اس رسم کے عرصۂ دراز سے عادی ہو چکے ہیں۔ اس زیرِ نظر مضمون میں ان رسوم کی دینی وضاحت پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے' جو آپ بغور ملاحظہ فرمائیں۔

قرآنِ کریم نے عبادت کا لفظ محکومیت کے معنے میں استعمال کیا ہے۔ اس میں دور دور تک پرستش کا مفہوم داخل نہیں ہوتا۔ اس کی وضاحت کے لئے دو آیات پیشِ خدمتِ عالی کی جا چکی ہیں کہ عبد کے مفہوم میں غلامی' احکامات کی تعمیل و بجا آوری ہوتی ہے۔ پرستش نہیں ہوتی۔ اس مفہوم کے ثبوت کے لئے مزید دو آیات پیش خدمتِ عالی کی جاتی ہیں۔ ارشادِ عالی ہے:

(1) **اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰہِ اَمَرَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِیَّاہُ** (12:40)- یاد رکھو حکومت صرف اللہ کے لئے ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ تم اس کے علاوہ کسی اور کی حکومت اختیار نہ کرو۔

اس آیت میں اگر عبادت سے مراد پرستش لی جائے تو آیت بالکل بے معنے ہو جاتی ہے یعنی حکومت تو صرف اللہ کی ہے اور تم صرف اسی کی پرستش کرو۔ خدا کی پرستش تو ہر حکومت میں رہ کر ہو سکتی ہے۔ اس لئے پرستش کے لئے خدا کی حکومت کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ اس لئے خدا کی عبادت سے مراد صرف اس کی محکومیت اختیار کرنا ہی ہو سکتا ہے۔

(2) ارشادِ عالی ہوتا ہے: **فَقَالُوۡۤا اَنُؤۡمِنُ لِبَشَرَیۡنِ مِثۡلِنَا وَ قَوۡمُہُمَا لَنَا عٰبِدُوۡنَ** (23:47)- پس لوگ آپس میں کہنے لگے کیا ہم اپنے ہی جیسے دو آدمیوں پر ایمان لے آئیں حالانکہ ان دونوں کی قوم ہماری اطاعت کرتی ہے۔

یہاں اطاعت و تابعداری کے علاوہ پرستش کے معنے لگ ہی نہیں سکتے' کیوں کہ حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ کی قوم' قومِ فرعون کی پرستش نہیں کرتی تھی بلکہ اطاعت کرتی تھی۔

عبادت کے دینی معنے کی وضاحت کے بعد اب قرآن کریم کے ان الفاظ کی وضاحت پیش خدمت عالی کی جاتی ہے جو دین کے ارکان' مذہب میں بحیثیت شعائرِ ملی کے تبدیل ہو گئے ہیں۔ دین کے ارکان اور شعائرِ ملی میں واضح

ونمایاں فرق یہ ہے کہ رکن دین کے نتائج اس دنیا میں برآمد ہوتے ہیں جبکہ شعائرِ ملی کے نتائج اس دنیا میں سامنے نہیں آتے۔ جب بھی کسی رکن دین کے نتائج برآمد نہ ہو رہے ہوں تو آپ فوراً سمجھ لیں کہ اب یہ رکن دینی رکن نہیں رہا بلکہ اب یہ صرف ملی شعائر میں سے ایک ہو گیا ہے۔ پرستش کی رسوم میں ہمارے ہاں پہلے نمبر پر نماز آتی ہے' اس لئے اس کی وضاحت پیش کی جاتی ہے۔

(3) یہ بات سب کو معلوم ہے کہ نماز فارسی زبان کا ایک لفظ ہے۔ اس لئے یہ قرآن میں استعمال نہیں ہوا۔ قرآن کریم میں الصلوٰۃ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ الصلوٰۃ دین کا ایک اہم رکن ہے اور اس کا نتیجہ خود قرآن نے یہ بتایا ہے کہ الصلوٰۃ' فحشا ومنکر سے روکتی ہے (29:45)- اور معاشرہ میں قانونِ خداوندی جاری کرنا بھی صلوٰۃ ہوتا ہے۔ (20:17)-

الصلوٰۃ کے مفہوم کو سمجھنے کے لئے قرآن کریم کے الفاظ روح اور نفس کے مفہوم کا واضح کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں روحِ خداوندی کا تو ذکر موجود ہے لیکن پورے قرآن میں کسی ایک جگہ بھی روحِ انسانی کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نوعِ انسانی کو جو ایک منفرد صلاحیت یا جوہر عنایت ہوا ہے۔ اس کو قرآن کریم نے نفس کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور اس بات کی وضاحت بھی فرما دی کہ نفس انسانی کا نشوونما کرنا ہی انسانی زندگی کا اول ترین مقصد ہے اور اسی مقام سے بالکل دو متضاد نظریات شروع ہو جاتے ہیں۔ مذہب کا سارا انحصار روحِ انسانی کے تصور پر ہے اور دین کا دارومدار نفس انسانی پر ہے۔ مذہب میں روح کا تزکیہ ترکِ دنیا کے بعد گوشوں اور زاویوں میں اور ورد وظائف اور پرستش کے ذریعہ ہوتا ہے جبکہ دین میں نفس کی نشوونما مستقل اقدار پر عمل کرنے سے ہوتی ہے' کیونکہ مستقل اقدار پر عمل صرف ایک معاشرہ میں ہی ہو سکتا ہے' اس لئے نفس انسانی کی پرورش کے لئے اسلامی معاشرہ کا قیام لازمی ہے۔ غیر اسلامی حکومت میں' یا گوشوں اور زاویوں میں' نفس انسانی کی پرورش نہیں ہو سکتی۔ نفس انسانی کی پرورش کا طریقہ یہ ہے کہ جب کسی مستقل قدر اور ذاتی مفاد میں ٹکراؤ ہوتا ہے تو ذاتی مفاد کو چھوڑ کر' مستقل قدر پر عمل کرنے سے نفس انسانی کی نشوونما ہوتی چلی جاتی ہے۔ اس لئے نفس انسانی کی بالیدگی کے لئے اسلامی حکومت کا قائم کرنا لازمی ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں آتا ہے: **الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰی** (92:18)- جو اپنا مال صرف کرتا ہے اس کا تزکیہ نفس ہوتا ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: **وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ** (59:9)- اور وہ ایثار کرتے ہیں حالانکہ انہیں خود تنگی ہوتی ہے۔ ان آیات' اور اس جیسی آیات سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ دوسرے افراد کی پرورش و تربیت کرنے سے خود اپنی ذات کی نشوونما ہوتی ہے۔ قرآن کی رُو سے

تزکیہ نفس معاشرہ کے اندر اس کا ایک جز و بن کر حاصل ہوتا ہے۔ انفرادی پرستش سے نہیں ہوتا۔ اور یہی وہ منفرد اصول ہے جو قرآن کریم کے ضابطہ' کو وحی الٰہی ثابت کرنے کے لئے کافی ہے' نیز یہ کہ عقل انسانی اس قسم کا ضابطہ وضع کر ہی نہیں سکتی۔

اس مختصر سی تمہید کے بعد اب الصلوٰۃ کا مفہوم عرض کیا جاتا ہے۔

الصلوٰۃ اور نماز کے باہمی فرق کو بیان کرنے سے پیشتر یہ بات واضح کرنی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ تحریک طلوع اسلام خدانخواستہ نماز کی اہمیت کو کم نہیں کرتی۔ جو شخص بھی اس تحریک سے وابستہ ہے وہ نماز پڑھتا ہے' اس کی پابندی کرتا ہے اور ہم سب لوگ جو اس تحریک عالی سے وابستہ ہیں' نماز کے اسی طرح پابند ہیں جیسے اور حضرات اس کے پابند ہیں۔ جو شخص بھی اس تحریک کی آڑ لے کر' نماز ترک کرتا ہے وہ اس تحریک پر بہتان وافتراء کرتا ہے۔

صلوٰۃ اور نماز میں پہلا اور بنیادی فرق یہ ہے کہ یہ دونوں بالکل الگ الگ اور ایک دوسرے سے متضاد نظریات کی ترجمانی کرتے ہیں' نماز کی اساس روحِ انسانی کے تصور پر قائم ہے' اس میں ہر شخص اپنا ذاتی تزکیہ نفس کرتا ہے یہ تزکیہ معاشرہ سے الگ ہو کر انفرادی طور پر کیا جاتا ہے۔ یہ خالص پرستش پر مبنی ہوتا ہے۔ اس کی کوئی حد نہیں ہوتی۔ اگر پانچ وقت کی نمازوں سے پورا سکون نہیں ملتا تو نماز تہجد اور نماز اشراق بھی پڑھی جانے لگتی ہیں۔ اگر ایک سو دانے کی تسبیح کفایت نہیں کرتی تو ہزار ہزار دانوں کے ''ہزاروں'' کا استعمال شروع کر دیا جاتا ہے۔ نماز و پرستش کی اگلی اور شاید آخری شکل تصوف کی ہوتی ہے۔ جس کا منتہیٰ ترک دنیا' ترک عقبیٰ اور ترکِ ترک ہوتا ہے۔ اس میں چونکہ صرف اپنی نجات درکار ہوتی ہے' اس لئے یہ خود غرضی بھی سکھاتا ہے' اس سے بالکل برعکس الصلوٰۃ کی حقیقت ہے۔ یہ روح کی بجائے نفس کے تصور کی ترجمان ہے۔ اس کی رو سے ہر شخص کی تربیتِ ذات معاشرے کے اندر' اس کا ایک جز و بن کر ہوتی ہے' اس میں دوسروں کی تربیتِ ذات سے اپنی ذات کی تربیت ہوتی ہے۔ اس میں چونکہ اپنی ذاتی نجات کا تصور نہیں ہوتا' اس لئے نماز کے برخلاف اس میں ایثار وقربانی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ نماز انفرادی تصور حیات کی داعی ہے جبکہ الصلوٰۃ اجتماعی تصور حیات کی داعی ہے۔ نماز خالص پرستش ہے اور صلوٰۃ خالص اطاعتِ قوانین خداوندی ہے۔ صلوٰۃ کے اوقات مقرر نہیں ہوتے۔ یہ ہر وقت ادا کی جاتی ہے اور اس میں مسلسل تواتر کے ساتھ قانون خداوندی کا اتباع ہوتا ہے۔ یہ انفرادی ہو ہی نہیں سکتی۔ قرآن کریم میں ہر جگہ صلوٰۃ کی اقامت کا حکم آتا ہے۔ پڑھنے کا حکم نہیں آتا۔ صلوٰۃ قائم Establish کی جاتی ہے صرف پڑھی نہیں جاتی۔

ہم جو آج کل نماز پڑھتے ہیں' یہ صلوٰۃ کا ہی ایک

حصہ ہے۔ اس میں رکوع اور سجدے سے عملاً یہ مراد ہوتی ہے کہ ہم اس نظام صلوٰۃ کے مطیع و فرمانبردار ہیں۔ ہم اس نظام کو تسلیم کرتے ہیں۔ اس کے آگے سرِ تسلیم خم کرتے ہیں۔ اسی نماز میں اسلامی حکومت کے قیام کے لئے مشورہ اور جدوجہد کو شامل کر لیا جائے، اور اسلامی حکومت کے قیام کے بعد یہ حکومت کا ایک جزو بن جائے تو ہماری یہی نماز صلوٰۃ بن جائے گی اور رکن دین بھی بن جائے گی اور اس کے نتائج برآمد ہونے شروع ہو جائیں گے۔ آج کل چونکہ ہماری نماز کے نتائج برآمد نہیں ہو رہے ہیں اس لئے یہ نماز شعائرِ ملی میں سے ایک ہے۔ اس کی بھی حفاظت کرنا ہم سب کی ذمہ داری ہے۔

نماز کے بعد روزہ اور حج کو ارکان دین میں شمار کیا جاتا ہے اور اس سے پرستش کا جواز مہیا کیا جاتا ہے، روزہ اور حج بے شک ارکان دین میں شامل ہیں، لیکن ان دونوں میں پرستش کا کوئی شائبہ نہیں آتا۔ ان دونوں میں کچھ مختلف مقاصد ہونے کے علاوہ، مشترک مقصد یہ ہے کہ: **وَلِتُكَبِّرُواْ اللّٰهَ عَلَى مَا هَدَاكُمْ** (22;37, 2:185) تاکہ تم قانونِ خداوندی کو غالب کرو اس بات کے بدلہ میں کہ اللہ نے تمہاری ہدایت فرمائی ہے ان دونوں Institution کا مطمحِ نگاہ اسلامی حکومت کا قیام ہے۔ کسی قسم کی پرستش اس میں شامل نہیں ہے۔

(4) ہمارے ہاں عموماً تقویٰ سے بھی پرستش و پرہیز گاری مراد لی جاتی ہے، لیکن قرآنِ کریم کی رو سے تقویٰ کے مفہوم میں پرستش نہیں آتی۔ قرآن کے ہر حکم کی اطاعت عبادت ہے اور ہر عبادت حکم کا درجہ رکھتی ہے۔ اس لئے اطاعت خداوندی میں پرستش شامل نہیں ہو سکتی قرآن نے حکم دیا کہ ہر بات کی تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ تم جہالت کی بنا پر غلط قدم اٹھا لو اور معاشرہ میں فساد پیدا ہو جائے (69:6)۔ جب آپ اس حکم خداوندی کی اطاعت کرتے ہوئے ہر بات کی تحقیق کرتے ہیں، تو آپ اللہ کی عبادت سرانجام دیتے ہیں۔ ایک جگہ حکم ہوتا ہے: **لَا تَدْخُلُوا بُيُوتاً غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا** (24:27)۔ اے ایمان والو اپنے گھروں کے علاوہ دوسرے گھروں میں (دَرّانہ) نہ چلے جاؤ یہاں تک کہ ان سے اجازت لے لو اور ان گھروں میں رہنے والوں سے صاحب سلامت نہ کر لو۔ جب آپ اس حکم کی اطاعت کرتے ہوئے دوسروں کے گھر میں بغیر اجازت نہیں جاتے تو آپ اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ ارشاد عالی ہے: **وَإِن كُنتُمْ عَلَى سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُواْ كَاتِباً فَرِهَانٌ مَّقْبُوضَةٌ** (2:283)۔ اور اگر تم سفر میں ہو اور کوئی لکھنے والا نہ ملے تو رہن یا قبضہ رکھ لو۔ جب آپ کوئی چیز رہن رکھتے ہیں تو آپ اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ یہی صورت تقویٰ کی ہے۔ تقویٰ کے لئے نمازیں پڑھنا یا پرستش کرنا ضروری نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی اطاعت ہی

تقویٰ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

1- **یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُولُوا قَوْلاً سَدِیْداً** (33:70)-اے ایمان والو اللہ سے تقویٰ اختیار کرو اور دوٹوک بات کرو۔

جوشخص بھی دوٹوک بات کرے گا وہ تقویٰ اختیار کرے گا۔

2- **یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُواْ اتَّقُواْ اللّٰهَ وَذَرُواْ مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبَا اِن کُنتُم مُّوْمِنِیْنَ** (2:278)- اے ایمان والو تقویٰ اختیار کرو اور جو سود لوگوں کے ذمہ باقی رہ گیا ہے اگر تم سچے مومن ہوتو اسے چھوڑ دو۔

اس جگہ سود کی باقی رقم کو چھوڑ نا تقویٰ قرار دیا گیا ہے۔

3- **وَتَتَّقُواْ وَتُصْلِحُواْ بَیْنَ النَّاسِ** (2:224) , (8:1)- تقویٰ اختیار کرو اور لوگوں کے درمیان صلاح کراؤ۔

اس جگہ لوگوں کے درمیان صلح کرانے کو تقویٰ کہا گیا ہے۔

4- **تَعَاوَنُواْ عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوَی وَلاَ تَعَاوَنُواْ عَلَی الاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ** (5:2)- نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی میں باہم کسی کی مدد نہ کرو۔

اس جگہ تقویٰ کے مقابلہ میں عدوان کا لفظ آیا ہے۔ عدوان کے معنے سرکشی کے ہوتے ہیں۔ اس لئے تقویٰ کے معنے قوانین خداوندی کی اطاعت ہوئے' پرستش کسی حال میں بھی نہیں ہوسکتے۔

5- **یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُواْ اتَّقُواْ اللّٰهَ وَکُونُواْ مَعَ الصَّادِقِیْنَ** (9:119)-اے ایمان والو تقویٰ اختیار کرو اور سچوں کی جماعت میں رہو۔

صادقین کی جماعت کے ساتھ رہنا تقویٰ ہے چونکہ دین اجتماعی زندگی کا نام ہے۔

6- **وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُواْ** (5:108)- تقویٰ اختیار کرو اور اس کے احکام کو بغور سنو۔

یہاں اللہ تعالیٰ کے احکام کو سننا' (اور اس پر عمل کرنا) تقویٰ قرار دیا گیا ہے۔

7- (2:180)- جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں' ان پر وصیت کرنا فرض ہے۔

اس جگہ وصیت کرنے کو تقویٰ کہا گیا ہے۔

8- (2:241)- یہاں مطلقہ کو سامان و متاع دینا تقویٰ بیان کیا گیا ہے۔

9- قصاص پر عمل کرنا تقویٰ ہے۔(2:179)-

10- **اعْدِلُواْ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوَی** (5:8)- عدل کرو کہ یہ تقویٰ کے قریب ہے۔

اس جگہ عدل کرنے کو تقویٰ کے قریب کہا ہے۔

اس قسم کی بے شمار آیات ہیں جن میں تقویٰ کا مفہوم واضح کیا گیا ہے کہ قوانین خداوندی کی اطاعت تقویٰ ہے۔ سارے قرآن میں ایک جگہ بھی پرستش کو تقویٰ نہیں کہا گیا ہے۔

(5) زکوٰۃ: اسی طرح زکوٰۃ بھی ایک اسلامی رکن ہے۔ اس سے مراد نوعِ انسانی کو سامانِ نشوونما مہیا کرنا ہے۔ اس سے پرستش مراد نہیں۔ ویسے آج کل عام طور پر اس میں پرستش شامل نہیں کی جاتی' اس لئے اس میں آیات کا مزید حوالہ دینا ضروری معلوم نہیں ہوتا۔

(6) جہاد: جہاد بھی عموماً پرستش خیال نہیں کیا جاتا' اس لئے اس کی مزید وضاحت کی ضرورت نہیں۔

(7) ذکر: عام طور پر ہمارے ہاں ذکر اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کے نام کا ورد کرنا' یا اوراد و وظائف پڑھنا ہوتا ہے اور یقیناً یہ پرستش کی ایک صورت ہے' لیکن قرآن کریم نے ذکر کے یہ معنے ہرگز ہرگز نہیں لئے۔ قرآن کریم کی رو سے ذکر خداوندی کا یہ مفہوم ہے کہ زندگی کے ایک ایک شعبہ میں اللہ تعالیٰ کے قوانین کو پیش نگاہ رکھا جائے' تو یہی ذکر الٰہی ہے۔ قرآن کے نزدیک مسجد اور میدان جنگ میں کوئی فرق نہیں ہوتا جس طرح مساجد قرآن کے مطابق قوانین وضع کرنے اور ان قوانین کو جاری کرنے کے ادارے ہیں۔ اور ہر وقت قوانین خداوندی کو پیش نظر رکھنے کے مقامات ہیں' اسی طرح میدانِ جہاد میں بھی ہر وقت قانونِ خداوندی کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ ارشاد عالی ہے: **یَـا اَیُّھَـا الَّذِیْنَ آمَنُوا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَۃً فَاثْبُتُوا وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْراً لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُونَ** (8:48)- اے ایمان والو جب تمہاری کسی فوج سے مڈبھڑ ہو تو خبردار اپنے قدم جمائے رکھنا اور ہر وقت قانونِ خداوندی کو پیشِ نگاہ رکھو تا کہ تم فلاح پاؤ۔ اور قرآنِ کریم نے خود ہی میدان جنگ کا وہ قانون بھی بتا دیا جب فرمایا: **یَـا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوا زَحْفاً فَلاَ تُوَلُّوھُمُ الاَدْبَار O وَمَن یُوَلِّھِمْ یَوْمَئِذٍ دُبُرَہٗ اِلاَّ مُتَحَرِّفاً لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَیِّزاً اِلَی فِئَۃٍ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَمَاْوَاہُ جَھَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ** (8:15-16)- اے ایمان والو جب تم سے کفار کا میدان جنگ میں مقابلہ ہو تو ان کی طرف سے پیٹھ نہ پھیرنا اور اس شخص کے علاوہ جو لڑائی میں کترائے یا کسی جماعت کے پاس جا کر موقع پائے اور جو شخص بھی اس دن ان کفار کی طرف اپنی پیٹھ پھیرے گا وہ خدا کے غضب میں آ گیا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔ یہ وہ قانون ہے جس کو پیش نظر رکھنا ذکر الٰہی کرنا ہے۔ اور یہ ذکر الٰہی صرف میدان جہاد میں ہی ہوسکتا ہے' پرستش سے نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح اشیائے کائنات پر غور و فکر کرنا ذکر الٰہی ہے (3:190)' اقوام سابقہ کی تاریخ سے عبرت و موعظت حاصل کرنا ذکر الٰہی ہے (12:120)۔ پھر ارشاد ہوا: **اَلاَ بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوب** (13:28)- خبردار رہو کہ قوانین خداوندی کو ہر وقت سامنے رکھنے اور اس پر عمل

کرنے سے اطمینانِ قلب علی وجہ البصیرت حاصل ہوتا ہے۔ جو بدر کے میدان میں مسلمانوں کو حاصل ہوا تھا۔ جب انہوں نے اپنے سے تین گنا فوج پر فتح حاصل کی تھی۔ **وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرَى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُم** (3:126)- اور خدا نے تمہاری یہ مدد صرف تمہاری خوشی کے لئے کی ہے اور تاکہ اس سے تمہارے دلوں کو اطمینان حاصل ہو۔ اگر قوانین خداوندی کو ہر وقت پیش نگاہ رکھ کر' اس پر ہی عمل کیا جائے تو یہ اطمینانِ قلب میدانِ جنگ میں بھی حاصل ہوسکتا ہے۔ یہ اطمینان قلب گوشوں اور زاویوں میں حاصل نہیں ہوسکتا۔

(8) تسبیح: قرآن کریم میں جس جگہ بھی تسبیح کا لفظ آتا ہے ہمارے ہاں اس سے مراد دانوں پر تسبیح پھیرنا ہوتا ہے۔ نزول قرآن کے وقت عربوں میں تسبیح کا کوئی دستور نہیں تھا۔ اس کی ابتداء بدھ مت والوں نے کی' ان سے یہ عیسائی راہبوں نے لی' عیسائی راہبوں سے اس تسبیح کو ایرانیوں نے لیا اور ایرانیوں کے زیر اثر یہ تسبیح ہم مسلمانوں میں داخل ہوئی۔ نزول قرآن کے بہت بعد تسبیح کا یہ تصور مسلمانوں میں شروع ہوا لیکن قرآن کریم نے تسبیح سے یہ مراد ہی نہیں لی۔ تسبیح کے لغوی معنے' کسی کام کی سرانجام دہی کے لئے سرتوڑ کوشش کرنا ہے۔ یہ لفظ اشیائے کائنات کے لئے بھی استعمال ہوا ہے' اور انسانوں کے لئے بھی۔ جب یہ لفظ اشیائے کائنات کے لئے استعمال ہوتا ہے تو اس کے معنے خدا کے مقرر کردہ پروگرام کی تکمیل میں انتہائی جدوجہد کرنے کے ہیں۔ اشیائے کائنات کا اپنے فریضہ کی ادائیگی میں سرگرم عمل رہنا تسبیح ہے۔ **وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ وَالْمَلاَئِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِ** (13:13)- رعد (بجلی کی کڑک) حمدیت خداوندی کے لئے مصروف عمل رہتی ہے۔ یہ رعد تسبیح کے دانوں پر سبحان اللہ والحمدللہ نہیں پڑھتی' سورج کا روشنی فراہم کرنا' سمندر سے بخارات اٹھانا' فصلیں پکانا' یہ اس کی صلوٰۃ یعنی اس کے فرائض ہیں اور ان فرائض کی سرانجام دہی کے لئے سرگرم عمل رہنا' سورج کی تسبیح ہے۔

جہاں تک انسانوں کی تسبیح کا ذکر ہے اس سے بھی مراد پوری پوری کوشش کرنا ہے۔ حضرت یونسؑ کے واقعات کے سلسلہ میں ارشاد ہوتا ہے: **فَلَوْلَا اَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ O لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهِ اِلَى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ** (37:143-144)- یونس نے انتہائی جدوجہد کی اور مچھلی کی گرفت سے اپنے آپ کو چھڑا لیا' اگر وہ اس درجہ جدوجہد اور سرتوڑ کوشش نہ کرتے تو مچھلی ان کو نگل لیتی اور پھر وہ قیامت تک باہر نہیں آسکتے تھے۔

انسانوں کی تسبیح کی وضاحت حضرت موسیٰؑ کے واقعات میں بھی آتی ہے۔ جب حضرت موسیٰؑ کو فرعون کی طرف جانے کا حکم دیا گیا تو انہوں نے اپنے بھائی (ہارونؑ) کو اپنے ساتھ لے جانے کے لئے کہا اور تقویت کی دعا مانگی اور کہا کہ میں یہ کچھ اس لئے مانگ رہا ہوں کہ

اس پروگرام کی تکمیل کے لئے زیادہ سے زیادہ جدوجہد کی جاسکے (20:33)۔ حضرت موسیٰؑ کو حکم ہوا تھا کہ: **اذْهَبْ اِلَى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى** (20:24)۔ تم فرعون کے پاس جاؤ اس نے بہت سر اٹھایا ہے۔ موسیٰؑ نے عرض کی پروردگار میں جاتا ہوں مگر میرے لئے میرے سینہ کو کشادہ کر دے' میرا کام میرے لئے آسان کر دے۔ میری زبان میں طلاقت و روانی پیدا کر دے تاکہ (وہ) لوگ میری بات اچھی طرح سمجھ لیں اور میرے کنبہ والوں میں سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا دے اور اس کے ذریعہ میری پشت مضبوط کر دے اور اس کو میرے کام میں میرا شریک بنا دے: **كَیْ نُسَبِّحَكَ كَثِیْرًا ○ وَنَذْكُرَكَ كَثِیْرًا** (20:33-34)' تاکہ ہم مل کر تیرے کام کو پورا کرنے میں کوشش کریں اور تیرے قانون کو غالب کرنے کی پوری پوری کوشش کریں۔ آیۂ کریمہ میں آتا ہے: **وَاَشْرِكْهُ فِیْٓ اَمْرِیْ** 'اسے میرا شریک کار بنادے۔ ظاہر ہے کہ یہ کام فرعون کو اس کی بغاوت سے روکنا تھا۔ اسی کے لئے ارشاد ہے: **كَیْ نُسَبِّحَكَ**' تاکہ ہم پوری کوشش کریں' یہ بات واضح ہے کہ یہاں تسبیح کا لفظ' اس مقصد میں پوری پوری تن دہی اختیار کرنے کے لئے استعمال ہوا ہے۔ دانوں پر اللہ کے نام کا ورد کرنے کے لئے استعمال نہیں ہوا ہے' اس لئے تسبیح کے واضح معنے خدا کے مقرر کردہ فرائض کی تکمیل کے لئے سخت کوشش کرنا ہے' تسبیح پھیر کر پرستش کرنا نہیں ہے۔

(9) تہجد: ارشاد عالی ہے: **وَمِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰٓى اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا** (17:79)۔ اور کچھ حصہ رات کا قرآن کے ساتھ جاگتا رہ' یہ زائد ہے صرف تیرے لئے۔ قریب ہے کہ تیرا رب تجھ کو مقام محمود پر کھڑا کر دے۔ لفظ تہجد اضداد میں سے ہے' اس کے معنے جاگنا اور سونا دونوں آتے ہیں۔ ہم میں سے جن حضرات کو پانچ وقت کی نمازوں سے پورا سکون حاصل نہیں ہوتا وہ رات کو نماز تہجد بھی پڑھتے ہیں حالانکہ از روئے قرآن تہجد صرف حضورﷺ کے ساتھ مخصوص تھا۔ تہجد گذار حضرات تہجد کے بہت فضائل بیان کرتے ہیں۔ تفسیر ضیاء القرآن میں تہجد کے متعلق تحریر ہے ''اب اس مخصوص نماز کی ادائیگی کا ذکر ہو رہا ہے جو حبیب کبریا پر بطور فرض یا زائد عبادت لازم ہے۔ یہ نماز تہجد ہے' یعنی جب سب لوگ سو رہے ہوں' ہر طرف سناٹا چھایا ہوا ہو۔ آغوش شب میں ہر چیز محو خواب ہو' اے حبیب اس وقت اٹھ اور جلوت گاہِ ناز میں شرف باریابی حاصل کر کے' جبین نیاز کو لذتِ سجدہ سے آشنا کر۔ تیری بے خوابیاں' یہ قلق اور بے کلی' یہ اشک کا سیلِ رواں' یہ شان بندگی کا ظہور سب کو شرفِ قبول بخشا جائے گا اور آپ کو مقام محمود پر فائز کیا جائے گا' جس کی جلالتِ شان دیکھ کر دنیا بھر کی زبانیں تیری ثناگستری اور حمد وستائش میں مصروف ہو جائیں گی۔'' (جلد دوم' ص 678)' حضرت شیخ الہند کے ترجمہ قرآن کے

حاشیہ پر حضرت العلام مولانا عثمانی نے رقم فرمایا کہ ''مقام محمود شفاعتِ عظمیٰ کا مقام ہے۔ جب کوئی پیغمبر نہ بول سکے گا تب آنحضرتﷺ اللہ تعالیٰ سے عرض کر کے خلقت کو تکلیف سے چھڑائیں گے۔ اس وقت ہر شخص کی زبان پر آپ کی حمد ہوگی اور حق تعالیٰ بھی آپ کی تعریف کرے گا' گویا شان محمدیت کا پورا پورا ظہور اس وقت ہوگا۔''

آپ نے غور فرمایا کہ یہ خالص پرستش ہے اور اس کے صلہ میں جو مقام محمود حضورﷺ کو ملے گا وہ آخرت میں ہوگا' اس کا اس دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اصل یہ ہے کہ جو انقلاب حضورﷺ نے برپا کیا تھا وہ کوئی معمولی انقلاب نہیں تھا۔ وہ تہجد کی نمازوں سے برپا نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس انقلاب کو لانے میں حضورﷺ اور ان کے ساتھیوں کو سرتوڑ کوشش کرنی پڑی تھی۔ خود قرآن نے حضورﷺ کی اس سرتوڑ کوششوں کا اعتراف کیا ہے جب فرمایا: اِنَّ لَکَ فِی النَّھَارِ سَبۡحاً طَوِیۡلاً (73:7)- یہ اس قسم کا پروگرام ہے جس میں تجھے سارے دن مسلسل جدوجہد کرنی پڑتی ہے' دن میں چونکہ یہ پروگرام بہت طویل ہوتا ہے' اور غور و فکر کا موقع نہیں ملتا ہے' اس لئے تم رات کے وقت قرآن پر غور و فکر کر کے' اس پروگرام کو آگے بڑھانے (Promote) کرنے کے ضابطے اور طریقے وضع کرو۔ اگر تم نے پوری کوشش کر کے' اس نظام کو قائم کر دیا تو وہ وقت دور نہیں جب لوگ اس نظام کے ثمرات دیکھ کر یہ کہنے لگیں کہ اس نظام کا داعی اور اس کو قائم کرنے والا یقیناً نہایت بلند و اعلیٰ مقام کا حامل ہے۔ وہ دل کی گہرائیوں سے آپﷺ کے بلند مقام کی حمد و تعریف کریں گے۔ مقام محمود آخرت میں شفاعت کا مقام نہیں ہوگا بلکہ مقام محمود وہ مقام ہے جس کے لئے لوگ خود پکار اٹھیں گے کہ حضورﷺ ہی اس بلند و بالا مقام کے مستحق اور مصداق ہیں۔ یہ اس دنیا کی بات ہوگی' جو اقامتِ دین کا نتیجہ ہوتی ہے۔ یہ آخرت کی بات نہیں ہے' جس کا دارومدار مذہب اور پرستش پر ہوتا ہے۔

نظریۂ خیر

ادارہ طلوع اسلام کے چیئرمین ڈاکٹر انعام الحق صاحب کا پی۔ایچ۔ڈی کا مقالہ بعنوان ''نظریۂ خیر' فلسفۂ اخلاق اور قرآن کی روشنی میں'' شائع ہو گیا ہے۔ یہ فکر انگیز تصنیف ادارہ طلوع اسلام 25بی' گلبرگ 2' لاہور سے دستیاب ہے۔ 534 صفحات کی اس کتاب کی قیمت -/300 روپے ہے۔ 50 فی صد کی خصوصی رعایت کے بعد صرف -/150 روپے میں علاوہ ڈاک خرچ ادارہ طلوع اسلام سے دستیاب ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد اکرم راٹھور

نیست مُمکن جُز بقرآں زیستن

آیاتِ مبارکہ 6:106, 10:109 اور 33:2 میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریمﷺ کو حکم فرمایا ہے کہ وہ قرآنِ کریم کا اتباع کریں اور آیات مبارکہ 6:50, 7:203 اور 46:9 میں نبی کریمﷺ کا اعلان ہے کہ وہ صرف قرآن حکیم کا اتباع کرتے ہیں۔ آیاتِ مبارکہ 4-53:3 میں اعلان ہے کہ نبی کریمﷺ اپنی خواہش سے کوئی (دینی) بات نہیں کہتے، وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے۔ پھر آیاتِ مبارکہ 46-45-69:44 میں اعلانِ باری ہے کہ اگر یہ رسولﷺ ہم پر کسی بات کا افتراء کرتا تو ضرور ہم اس کو دائیں ہاتھ سے پکڑ لیتے پھر اس کی رگِ دِل کو کاٹ ڈالتے۔ یہ باری تعالیٰ کی طرف سے نبی کریمﷺ کے متعلق سرٹیفکیٹ ہے کہ آپﷺ نے دین کے معاملے میں قرآن مجید کی پوری پوری اتباع کی اور اللہ تعالیٰ پر ہرگز ہرگز کوئی افتراء نہیں کیا۔ آیتِ مبارکہ 29:51 میں فرمایا گیا کہ کیا ان لوگوں کے لئے یہ کافی نہیں کہ ہم نے آپﷺ پر کتاب نازل کی جو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔ کچھ شک نہیں کہ مومنوں کے لئے اس میں رحمت اور نصیحت ہے۔ لہٰذا نبی کریمﷺ اور خلافتِ راشدہ کے دور میں قرآن خالص کی حکمرانی رہی کیونکہ آیاتِ مبارکہ 5:44-45,47 میں متنبہ فرما دیا گیا ہے جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی وحی (قرآن) کے مطابق فیصلے نہ کریں وہ کافر، وہی فاسق اور وہی ظالم ہیں۔ سب مومنین امتِ واحدہ تھے۔ آیت مجیدہ 6:163 کے مطابق نبی کریمﷺ اَوّلین مُسلم تھے۔ ہر مومن مسلم تھا۔ مُسلم کے سوا مومن کی کوئی اور شناخت نہ تھی اور کسی فرقے کی موجودگی کا کوئی سوال ہی نہ تھا۔ لیکن: اس وقت مسلمانوں میں دو بڑے فرقے یعنی شیعہ اور سنی عملاً موجود ہیں جن کے جواز کے لئے عموماً درج ذیل احادیث پیش کی جاتی ہیں:

(i) عن جابر قال رائیت رسول الله صلی الله علیه وسلم فی حجته یوم عرفة وهو علی ناقته القصواء یخطب فسمعته یقال یاایها الناس انی ترکت فیکم ما ان اخذتم به لن تضلوا کتاب الله و عترتی اهل بیتی. (رواہ الترمذی)۔

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں نے حجۃ الوداع میں عرفے کے روز رسول اللہ ﷺ کو اس حال میں دیکھا کہ آپ اونٹنی قصویٰ پر سوار ہو کر خطبہ دے رہے تھے۔ میں نے سنا آپ یہ فرما رہے تھے۔ اے لوگو میں نے تمہارے درمیان وہ چیز چھوڑی ہے کہ اگر تم اسے مضبوط تھامے رکھو تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ اور وہ خدا کی کتاب ہے اور میرے اہلبیت میں سے میری عزت (یعنی جدی اولاد)۔ (ترمذی)۔

(ii)وعن زید بن ارقم قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی تارک فیکم ما ان تمسکتم بہٖ لن تضلوا بعدی احدھما اعظم من الأخر کتاب اللہ حبل ممدود من السماء الی الارض وعترتی اھل بیتی ولن یتفرقا حتی یردا علی الحوض فانظروا کیف تخلفونی فیھما. (رواہ الترمذی)۔

حضرت زید بن ارقمؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے میں تمہارے درمیان وہ چیز چھوڑتا ہوں کہ اگر تم اسے مضبوط پکڑے رہو اور اس پر عامل رہو تو میرے بعد کبھی گمراہ نہیں ہو گے (اور یہ دو چیزیں ہیں) جن میں سے ایک دوسرے سے بڑی ہے یعنی خدا کی کتاب ایک رسی کی مانند ہے جو آسمان سے زمین تک آئی ہوئی ہے۔ اور دوسری میری عزت ہے۔ میرے اہل بیت میں سے اور خدا کی کتاب اور میری عزت قیامت کے دن ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہ ہوں گی یہاں تک کہ حوض پر آئیں گے۔ اب تم دیکھو گے کہ میرے بعد تم دونوں چیزوں کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہو۔

(iii) یاایھا الناس انی قدترکت فیکم ما ان اعتصمتم بہٖ فلن تضلوا ابدا: کتاب اللہ و سنۃ نبیہٖ ان کل مسلم اخ المسلم. المسلمون اخوۃ. (مستدرک حاکم 93/1)۔

اے لوگو بے شک میں تم میں وہ چیز چھوڑے جا رہا ہوں۔ اگر تم اس کو مضبوطی سے پکڑے رکھو گے تو گمراہ نہیں ہو گے وہ ہے اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت۔ بے شک ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ اور سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

(iv) وعن مالک ابن انس مرسلا قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ترکت فیکم امرین لن تضلوا ماتمسکتم بھما کتاب اللہ و سنۃ رسولہٖ. (رواہ الموطا)۔

حضرت مالک ابن انسؓ بطریق مرسل بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں۔ جب تک تم انہیں مضبوط پکڑے رہو گے گمراہ نہیں ہو گے۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ۔

ناصرف ان چاروں احادیث کے اسناد میں بالترتیب زید بن الحسن، اعمش وحبیب بن ابی ثابت، اسماعیل بن ابی اویس اور اسماعیل بن ابی اویس ضعیف راوی موجود ہیں بلکہ یہ احادیث آیاتِ مبارکہ 3:103, 3:104, 6:159, 42:10, 30:31-32, 23:53 اور 42:14 سے بھی متصادم ہیں لہٰذا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث نہیں ہوسکتیں۔

البتہ مندرجہ ذیل حدیث ہر لحاظ سے صحیح ہے:

وقد ترکت فیکم مالن تضلوا بعدہ ان اعتصمتم کتاب اللہ. (صحیح مسلم، باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ 397/1)۔

تمہارے درمیان چھوڑے جاتا ہوں میں ایسی چیز کہ اگر تم اسے مضبوط پکڑے رہو تو اس کے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے اور وہ ہے اللہ کی کتاب۔

کیونکہ ناصرف اس کے سب راوی ثقہ ہیں بلکہ یہ درجِ ذیل آیت مبارکہ کے بھی عین مطابق ہے:

یاایھا الرسول بلغ ماانزل الیک من ربک و ان لم تفعل فما بلغت رسلتہ واللہ یعصمک من الناس ان اللہ لا یھدی القوم الکافرین. (5:67)-

(اے رسول جو کچھ بھی آپ کی طرف آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے پہنچا دیجئے۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کی رسالت ادا نہیں کی اور آپ کو اللہ تعالیٰ لوگوں سے بچا لے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔)

مزید برآں اس حدیث کی مندرجہ ذیل صحیح احادیث پوری تائید کرتی ہیں:

(1) **بلغوا عنی ولو آیۃ** (بخاری۔کتاب الانبیاء، ترمذی۔ کتاب العلم، مسند احمد۔ دوسری جلد صفحہ 214, 159, 202 دارمی۔مقدمہ)۔

(میری جانب سے لوگوں تک پہنچاؤ خواہ ایک ہی آیت کیوں نہ ہو)۔

(2) **لا تکتبوا عنی غیر القران ومن کتب عنی شیأ غیرہ فلیمحہ.** (صحیح مسلم، کتاب الزھب، حدیث نمبر 7510)۔

مجھ سے سوائے قرآن کے کچھ نہ لکھو اور جو کسی نے قرآن کے سوا کچھ لکھا ہو تو وہ اس کو مٹا ڈالے۔

(3) **حدثنا قتیبۃ بن سعید حدثنا سفیان عن عبدالعزیز بن رفیع قال دخلت انا**

وشداد بن معقل علی ابن عباس رضی الله عنهما فقال له شداد بن معقل اترک النبی صلی الله علیه وسلم من شیءٍ قال ما ترک الا مابین دفتین قال دخلنا علی محمد بن الحنفیه فسئلناه فقال ما ترک الا مابین الدفتین. (صحیح البخاری' 46 'فضائل القرآن' حدیث نمبر 4631)۔

ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی' اس سے سفیان نے حدیث بیان کی کہ عبدالعزیز بن رفیع کہتے ہیں کہ میں اور شداد بن معقل حضرت ابنِ عباسؓ کے پاس گئے تو شداد نے حضرت ابنِ عباسؓ سے پوچھا کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے اپنے بعد کچھ چھوڑا تھا۔ ابنِ عباسؓ نے فرمایا کہ بجز اس قرآن کے جو دفتین میں محفوظ ہے آپ ﷺ نے کچھ نہیں چھوڑا۔ اسی طرح ہم دونوں محمد بن الحنفیہ کے پاس گئے اور ان سے بھی یہی سوال کیا تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا کہ آپ ﷺ نے اس قرآن کے سوا جو دفتین میں محفوظ ہے اور کوئی چیز نہیں چھوڑی۔

تصریحات بالا سے واضح ہے کہ قرآن مجید اور صحیح احادیث نبویؐ کے مطابق رسول اللہ ﷺ کا فرضِ منصبی لوگوں تک اللہ کا قرآن پہنچانا تھا۔ قرآن کے علاوہ کسی اور چیز کا لوگوں تک پہنچانا رسول اللہ ﷺ کا فرضِ منصبی نہیں تھا۔ اگر آپ ﷺ بلغوا عنی ولو آیة کی جگہ بلغوا عنی ولو حدیثی فرماتے تو یہ آپؐ کے فرضِ منصبی کے خلاف ہوتا۔ یہ آپؐ قطعاً نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ قل انی اخاف ان عصیت ربی عذاب یوم عظیم (6:15) (آپ کہہ دیجئے کہ میں اگر اپنے رب کا کہنا نہ مانوں تو میں ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں) کا اعلان ہر وقت آپ ﷺ کے پیشِ نظر تھا۔ لہٰذا آپؐ نے مسلمین کو بھی صرف اور صرف قرآن کو مضبوطی سے تھام رکھنے اور لوگوں تک پہنچانے کی تلقین فرمائی۔

اس لئے ہر مسلم کو عقل و بصیرت سے قرآن سیکھنے سکھانے' سمجھنے سمجھانے اور قرآنی نظام کے قیام کے لئے اپنی توانائیوں اور وسائل کو صرف کرنا چاہئے۔ آیتِ مبارکہ وقال الرسول یارب ان قومی اتخذوا هذا القران مهجورا (25:30)- (اور رسول کہے گا کہ اے میرے پروردگار! بے شک میری امت نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا) کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ان صلوٰتی و نسکی و محیای و مماتی لله رب العٰلمین (6:162) (بے شک میری صلوٰۃ' میرے نُسک' میری زندگی اور میری موت سب اللہ کے لئے ہیں جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے) کے اعلان کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دینا چاہئے۔ سب

مسلمین آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ان میں کسی قسم کی فرقہ بازی، مسلک سازی، گروہ بندی، ذات برادری، عربی، عجمی، گورے کالے، لسانی اور علاقائی بنیاد پر تقسیم ہرگز جائز نہیں بلکہ شرک ہے۔کسی مسلم کے نام کے ساتھ ایسے کسی سابقے لاحقے کا استعمال نہیں ہونا چاہئے۔مساجد میں بھی شیعہ، سنی، دیوبندی، بریلوی، اہلحدیث وغیرہ کا امتیاز قطعاً نہیں ہونا چاہئے۔کسی مسجد کی رجسٹریشن کسی فرقہ یا مسلک کے لحاظ سے نہیں ہونی چاہئے۔مسجد کی تعمیر و رجسٹریشن صرف بطور مسجد (یعنی مسلمین کی مسجد) ہونی چاہئے۔قرآنِ حکیم کے مطابق ایک عالم کے لئے عقل و بصیرت سے قرآن کی تعلیم کے ساتھ ساتھ صحیفۂ فطرت کا ماہر ہونا یعنی جدید سائنسی علوم کا ماہر یا سائنسدان ہونا بھی لازمی ہے۔اس لئے ہر مسلم کو عقل و بصیرت سے قرآن فہمی کے ساتھ ساتھ جدید ترین سائنسی علوم حاصل کرنے کے سکول، کالج اور یونیورسٹی کی سطح تک یکساں مواقع مہیا کئے جانے چاہئیں۔اس مقصد کے لئے مدارس کو بھی سکولوں اور کالجوں میں تبدیل کر دینا چاہئے تاکہ امت مسلمہ دین و دنیا دونوں میں سرفراز ہو سکے اور فرقہ واریت سے بھی چھٹکارا حاصل کر سکے۔

خریدار حضرات توجہ فرمائیں

مجلّہ طلوع اسلام کی درج ذیل خوبصورت جلدیں 275 روپے فی جلد علاوہ ڈاک خرچ دستیاب ہیں۔

70, 72, 73, 75, 76, 77, 83, 84, 85, 86, 87, 88, 91, 94, 98,
2000, 2003, 2004, 2005, 2006, 2007, 2008, 2009, 2010

بایزید یلدرم

صابر صدیقی صاحب کا نام طلوع اسلام کے حلقوں میں تعارف کا محتاج نہیں ہے۔طلوع اسلام ٹرسٹ سے ان کی کتابیں ابلۂ مسجد، اور کن فیکون شائع ہو کر قارئین سے خراجِ تحسین حاصل کر چکی ہیں۔''بایزید یلدرم'' ان کا ایک تاریخی ناول ہے جو انہوں نے بہت محنت سے لکھا ہے۔یہ ناول ادارہ طلوع اسلام سے رعایتی قیمت -/150 روپے علاوہ ڈاک خرچ میں دستیاب ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیکھئے قرآن کی آواز کہاں کہاں سے اُٹھ رہی ہے!

مکافاتِ عمل

میاں انسان کی یہ خواہش ہمیشہ سے رہی ہے کہ اس کے ہاتھ مستقل کامیابی اور کامرانی کا نسخہ لگ جائے۔ ابدی خوش حالی کی کئی مضحکہ خیز کوششیں انسان نے یا تو کی ہیں یا پھر غلبۂ خواہش کے سبب اس سے سرزد ہوگئی ہیں۔ مگر تاریخ اٹی ہوئی ہے ان قہقہہ آور کوششوں سے۔ گئے زمانوں میں بھٹیوں میں سونا بنانے کی کوششوں سے لے کر آج کی جینیاتی لیبارٹریوں میں انسان بنانے کی کوششوں تک انسان نے فطرت کو جب بھی تسخیر کرنے کی کوشش کی' وہ ناکام و نامراد ہوا اور جب جب اس نے خود کو فطرت کے قوانین کے تابع کیا' یہ پوری کائنات اس کے لئے مسخر ہو گئی۔ یہ قانون کیا ہے اور ایسا کیا ہے اس قانون میں کہ اس کی تابع فرمانی سے دیگر تمام حکمرانیاں نصیب ہو جاتی ہیں۔

میاں قرآنِ پاک نے ہمیں یہ نسخہ دے دیا ہے اور اس کے مطابق کامیابی' کامرانی' فلاح' ترقی وغیرہ اعمال صالحہ کا فطری نتیجہ ہے اور ایسا سب کچھ خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ قانون کے عین مطابق ہوتا ہے۔ اس قانونِ بے بدل کو مکافاتِ عمل کہتے ہیں۔ انسان کے لئے قرآنِ پاک نے اس قانون کا بنیادی اصول ایک آیت میں دے دیا ہے۔ ''**لیس للانسان الا ماسعیٰ**''، یعنی انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس کی وہ جدوجہد کرتا ہے۔ یہ قانون اس قدر واضح اور صاف ہے کہ انسان کو اس کو سمجھنے میں دیر نہیں کرنی چاہئے کہ یہ فی الواقعہ ہر لمحہ انسان کے ساتھ ہو رہا ہے۔ ہاں اس جدوجہد' کوشش' عمل یا سعی کی خاطر انسان کو اپنے اندر مختلف صلاحیتیں ازبس درکار ہیں۔ اس کے علاوہ اسے خارجی کائنات میں اپنے لئے بلا تعطل سامانِ نشوونما اور اپنی عقل کی مسلسل راہنمائی چاہئے جس کے بعد وہ ہر طرح کی جدوجہد کے لئے خود کو تیار محسوس کرتا ہے۔ یہ تینوں اشیاء یعنی انسان کا مختلف صلاحیتوں سے بہرہ مند ہونا' اس کو کائنات میں سامانِ نشوونما کی بلا تخصیص و تعطل فراہمی اور وحی کی شکل میں عقل کی مسلسل اور ابدی راہنمائی' خدا کی طرف سے انسان کو بلا معاوضہ' مفت اور بن مانگے فراہم ہیں۔ خدا نے اپنے قوانین کے نتائج کو کسی خاص منصب'

رنگ‘ نسل‘ ذات‘ مذہب وغیرہ کے ساتھ مخصوص نہیں کیا بلکہ یہ تمام تر نتائج ہر اس شخص کی خاطر بلا مزد حاضر ہیں جو ان کو حاصل کرنا چاہے اور یہیں سے ہمیں مکافات کے قانون کی آفاقیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اب جو بھی شخص ان چیزوں سے فائدہ اٹھا کر اللہ رب العزت کے قوانین کے تحت اپنی ذات کی نشوونما کرلے‘ اسے زندگی کی تمام موجود کامیابیاں‘ کامرانیاں‘ خوش حالی اور خوشگواریاں حاصل ہو جاتی ہیں اور جو شخص بھی ان قوانین کو اپنی عقل اور فہم اور ذاتی غرض کے تناظر میں تبدیل کرنے کی کوشش کرتا ہے‘ وہ ان تمام نتائج کے حصول سے یکسر محروم رہتا ہے۔ یعنی یہ قانونِ الٰہی نہایت واضح طور پر یہ بات ثابت کرتا ہے کہ انسان کو جو بھی کچھ حاصل ہوتا ہے‘ وہ صرف اور صرف اس کے اعمال کا براہ راست نتیجہ ہے۔ اس حوالے سے علامہ محمد اقبالؒ کا ایک بہت خوبصورت شعر دیکھئے:

آں بہشتے کہ خدائے بتو بخشد ہمہ ہیچ
تا جزائے عمل تُست‘ چناں چیزے ہست

یہی وہ بنیادی تصور ہے جو زمین پر ایک بے مثال اور ہر طرح کی نشوونما سے متفص معاشرہ تخلیق کرسکتا ہے۔ وہ معاشرہ جس کا تصور اور انعامات قرآن پاک سے ہمیں ملتے ہیں۔ یہ سب کچھ انسان کو صرف اس واسطے فراہم ہے کہ خدا رب العالمین ہے‘ اس لئے اس نے بنی نوع انسان کی صلاحیتوں کی تکمیل اور اس تمام نظامِ رنگ و بو کی نشوونما کا وہبی طور پر عطا کرنا اپنے ذمے لے رکھا ہے۔ اسی لئے سورۃ فاتحہ میں رب العالمین کے ساتھ ہی ''الرحمٰن الرحیم'' بھی آیا ہے۔ عربی زبان کے قاعدے اور گرائمر کی رو سے ''رحیم'' کے معانی ہوں گے عمومی طور پر مسلسل سامانِ نشوونما بہم پہنچانے والا۔ یعنی دوسرے معنوں میں Progressive Evolution یا ارتقاء کا ایک نہ ختم ہونے والا عمل ہے جو کہ ازل سے ابد تک جاری و ساری ہے۔ اس تمام فکری پس منظر میں اگر ہم اپنے معاشرے کو دیکھیں تو آپ حیران ہو جائیں گے کہ ہم لوگوں نے خدا کے وہبی انعامات و اکرام کو تو وصول پایا مگر ان انعامات سے فیض کا جو راستہ بذریعہ عمل طے کرنا ہوتا ہے‘ اس سے ہمارا دُور دُور تک کوئی تعلق نہیں۔ اسی لئے ہم جو کچھ بھی کرتے ہیں اس کے نتائج ہمیں نہیں ملتے۔

انسان کے ذمے جہاں اپنی ذات کی نشوونما اور ترقی کا فرض ہے‘ وہیں اس کی ذمہ داریوں میں ایک ایسے معاشرے کا قیام بھی ہے جو کہ صرف خیر‘ فلاح‘ امن‘ سلامتی‘ بھائی چارے پر مبنی ہو۔ بات تو بہت آسان ہے اور سامنے کی ہے مگر چونکہ اس میں انسان کو عمل کی ضرورت ہے اور وہ بھی راست عمل کی جو کہ نہایت ہی مشکل کام ہے خاص طور پر پاکستانی انسان کے لئے‘ لہٰذا ہم اس کے وعدے کے مطابق نتائج حاصل نہیں کر پاتے۔ معاشرہ انسانوں کے مجموعے کو کہتے ہیں کہ جو کہ کردار و اخلاق کے آفاقی قوانین کے تحت

بنتا ہے جبکہ ہمارے یہاں تو انسان بھی نہیں پائے جاتے کیونکہ اگر محض راست قامت دو پایہ مخلوق کو انسان کہا جا سکتا ہے تو بے شک ہمارے یہاں انسان موجود ہیں لیکن اگر انسان سے مراد ایک ایسی مخلوق ہے جو کہ عقل رکھتی ہے' اس کا استعمال کرتی ہے' شعور والی ہے' ایک کردار کی حامل ہے' بلند اور آفاقی اخلاق سے متصف ہے اور باہمی نشو ونما کے اصول وقوانین سے کماحقہ واقف ہے اور ایک معاشرے کو قائم کر کے اس میں رہتی' پنپتی اور ارتقاء کے عمل سے گزرتی ہے تو ان تمام کسوٹیوں کے لحاظ سے ہمارے یہاں ایک بھی انسان ڈھونڈنا مشکل ہو جائے گا۔ شعور وہ لوگ رکھتے ہیں جو جہالت کو برا سمجھتے ہیں' عقل سے محبت رکھتے ہیں اور زندگی کا بلند مقصد رکھتے ہیں۔ اپنے شعور کی تربیت کے لئے عقل کا مسلسل استعمال کرتے ہیں اور اس سلسلے میں الوہی قوانین سے راہنمائی بھی حاصل کرتے رہتے ہیں۔ آپ غور کریں تو آپ کو صاف دِکھے گا کہ شعور نامی چیز کا کوئی شائبہ تک ہمیں دیکھ کر نہیں ہوتا۔ جیسا ہمارا معاشرہ ہے' جس طرح ہم لوگ رہتے اور سوچتے ہیں' اس میں شعور کی عملداری کسی طرح بھی نہیں ہوسکتی۔ ہم لوگ ہر وہ حرکت کرتے ہیں جو ہمیں بعض اوقات جانوروں کے منصب کے قابل بھی نہیں چھوڑتی۔ زندگی کا بلند مقصد ہونا تو بہت بعد کی بات ہے' ہمارے یہاں تو زندگی کا قائم رکھنا تک مشکل ہو چکا ہے کیونکہ پاکستانی انسان ہر ذی روح کو ذاتی مفاد اور غرض کی خاطر تخلیق کردہ سمجھتے ہیں۔ جو کچھ ہمارا حال ہے اور جس طرح کے ہمارے اعمال ہیں' اگر مکافاتِ عمل کے قانونِ الٰہی کے تناظر میں دیکھا جائے تو ساری بات اور تمام تر نتائج سمجھ میں آ جاتے ہیں۔ میاں یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ انسان کو وہ مل جائے جس کی طرف وہ محنت نہ کرے جبکہ ہماری سہل انگاری ہمیں ہر لمحہ ایک ایسی خواہش کی حالت میں رکھتی ہے جہاں ہمیں ہر وہ چیز درکار ہے جس کی نہ ہم نے کبھی کوشش کی اور نہ ہم اس کے اہل ہیں۔ مکافات کے قانون کے تحت ہمیں مل تو رہا ہے' مگر وہی کچھ جو کہ ہم کر رہے ہیں اور نتائج کی شکل میں آپ دیکھ سکتے ہیں کہ ہم کیا کر رہے ہیں۔ میاں بدلنا تو ہمیں ہی ہوگا کیونکہ ہماری خواہش وکوشش کے باوجود قانونِ خداوندی نہ کبھی بدلے ہیں اور نہ بدلیں گے۔

(بانکے میاں' روزنامہ ایکسپریس لاہور' 2011-8-7)

64 سال بعد

یہ ملک کانٹوں سے شروع ہوا تھا' پاکستان میں 15 اگست 1947 کو سرکاری دفتر نہیں تھے' دفتر تھے تو میز اور کرسی نہیں تھی' کرسی اور میز تھی تو کاغذ اور قلم نہیں تھا اور اگر قلم اور کاغذ تھے تو فائل کور اور پیپر پن نہیں تھی چنانچہ وزراء نے اپنی ذاتی رہائش گاہوں کو دفتر بنا لیا' سیکرٹری سیکرٹریٹ کے لانوں میں بیٹھنے لگے اور سٹینو گرافر' ڈپٹی سیکرٹری اور آفس سپرنٹنڈنٹوں نے ٹرنکوں' کریٹوں اور

بکسوں کو کرسی اور میز بنا لیا اور درختوں کے سائے کو آفس؛ یہ لوگ گھر سے اپنے بچوں کی کاپیاں اور رجسٹر لے آتے تھے' یہ ان کی سرکاری سٹیشنری ہوتی تھی' پیپر پن ہوتی نہیں تھی لہٰذا یہ لوگ سرکاری کاغذات کو جوڑنے کے لئے کیکر کے کانٹے استعمال کرتے تھے' کیکر کے کانٹے مکلی کے قبرستان سے آتے تھے مکلی میں کیکر کے ایکڑوں تک پھیلے جنگل تھے۔ مکلی کے لوگ کیکروں کے کانٹے چن کر جمع کر لیتے تھے' سرکاری بابو سائیکلوں پر ٹھٹھہ پہنچتے تھے اور آٹھ آنے سیر کے حساب سے کانٹے خرید کر واپس کراچی آ جاتے تھے' یہ کانٹے اس وقت وقف املاک سے لے کے وزیراعظم کے آرڈر تک تمام سرکاری کاغذوں پر لگائے جاتے تھے۔

یہ تھا 1947ء کا پاکستان' اس پاکستان میں کانٹے تو تھے لیکن کانٹوں کے ساتھ ملک کو آگے بڑھانے' آزادی کو سلامت رکھنے' ملک میں رُول آف لاء قائم کرنے' اسلامی معاشرہ بنانے' لوگوں کو تعلیم' صحت اور خوشحالی دینے اور عوام کی خدمت کرنے کا جذبہ تھا' لوگ دن رات کام کرتے تھے' سرکاری ملازم چھٹی کے بعد بھی دفتر بیٹھتا تھا' استاد ٹیوشن کو حرام سمجھتا تھا' وہ گھر کو سکول بنا لیتا تھا اور سکول کو گھر اور بچے چھٹی کے بعد بھی استاد سے رابطے میں رہتے تھے' سرکاری نلوں کا پانی پینے کے قابل ہوتا تھا' گھروں میں بجلی کم تھی لیکن جہاں تھی وہاں ہر وقت موجود رہتی تھی' ملک میں پولیس اور فوج کم تھی لیکن فوج اور پولیس کی کمی کے باوجود لاء اینڈ آرڈر کا مسئلہ پیدا نہیں ہوتا تھا' قائداعظمؒ کے ساتھ پروٹوکول اور سیکورٹی کی صرف ایک گاڑی چلتی تھی اور اس میں بھی پولیس کے صرف دو افسر ہوتے تھے' وزراء کی گاڑیوں کے آگے اور پیچھے ہوٹر اور سیکورٹی کی کوئی گاڑی نہیں ہوتی تھی' وزیراعظم کے گھر کے سامنے پولیس اور کمانڈوز کا پہرہ نہیں ہوتا تھا' لوگ سیکرٹریوں تک کے گھروں میں چلے جاتے تھے اور رات دو بجے کے بعد بھی ان سے آرڈر لے آتے تھے' جج مقدمات کی فہرست ختم ہونے تک کام کرتے تھے' دکاندار منافع کم لیتے تھے اور اشیاء خالص بیچتے تھے' دودھ' مرچوں اور آٹے میں ملاوٹ نہیں ہوتی تھی' قصائی مردہ جانوروں کا گوشت نہیں بیچتے تھے' لیڈر جھوٹ نہیں بولتے تھے' میونسپل کمیٹیز کا عملہ شہریوں کے جاگنے سے پہلے گلیاں اور نالیاں صاف کر جاتا تھا اور ملک میں رشوت لینا' کرپشن کرنا' اقرباء پروری کرنا' پرمٹ تقسیم کرنا' دوسرے کی زمین جائیداد پر بری نظر ڈالنا اور عقیدے کی بنیاد پر دوسروں کو اچھا یا برا کہنے کی بھی کوئی روایت نہیں تھی' ٹرینیں کم تھیں لیکن چلتی وقت پر تھیں' ملازمتیں کم تھیں مگر ملتی میرٹ پر تھیں' مولوی اور رند دونوں ساتھ ساتھ رہتے تھے اور کوئی کسی کو برا نہیں کہتا تھا' امام بارگاہ اور مسجد دونوں ساتھ ساتھ ہوتے تھے اور دونوں کے درمیان کبھی کوئی فساد نہیں ہوتا تھا' جلوس اور جلسے بھی ہوتے تھے لیکن کوئی کسی سرکاری عمارت' گاڑی اور اشارے پر پتھر

نہیں پھینکتا تھا اور ہم اس وقت بھی غریب تھے لیکن کوئی امیر کو گالی نہیں دیتا تھا' کوئی امیر کو اپنی محرومی اور پسماندگی کا ذمہ دار نہیں ٹھہراتا تھا لیکن آج! جی ہاں آج ہمارے پاس پیپر پن تو ہیں' ہمارے پاس سرکاری سٹیشنری بھی ہے' ڈپٹی سیکرٹری سے لے کر سیکرٹری تک سرکاری گاڑیاں بھی استعمال کرتے ہیں' سرکاری دفتر اور دفتروں میں اے سی اور ہیٹر بھی ہیں اور دفتروں کی بتیاں بھی دن رات جلتی رہتی ہیں' ہمارے وزیروں کے پاس اربوں روپے کے فنڈز بھی ہیں' ان کے گھروں' دفتروں اور گاڑیوں کے دائیں بائیں آگے پیچھے پولیس کمانڈوز اور رینجرز بھی ہیں' وزیراعظم اور صدر ووٹ کے ذریعے الیکٹ ہوتے ہیں لیکن انہیں پندرہویں صدی کے شاہانہ اختیارات بھی حاصل ہیں' ہمارے مالیاتی ذخائر بھی 18 ارب ڈالرز کو ٹچ کررہے ہیں' ہماری سڑکوں پر گاڑیوں کے فلیٹ کے فلیٹ بھی چل رہے ہیں' ہماری فلائٹس بھی ''پیک'' ہوتی ہیں اور ہمارے ملک میں خوشحالی اور ترقی کے دریا بھی بہہ رہے ہیں لیکن اس کے باوجود اس ملک میں امن نہیں' سکون نہیں' اطمینان نہیں' صفائی اور ایمان نہیں' یہ ملک ملاوٹی اشیاء کی سب سے بڑی منڈی ہے' اس ملک میں آٹے سے لے کر دودھ اور دالوں سے لے کر گوشت تک اور چینی سے لے کر ڈسپرین تک خالص نہیں ملتی' اس میں ٹرینیں چودہ چودہ گھنٹے لیٹ ہوتی ہیں اور فلائٹس میں تاخیر بھی معمول بن چکی ہے' اس میں میرٹ کی (م) تک نہیں رہی' اس ملک میں جج مقدمے درمیان میں چھوڑ کر چلے جاتے ہیں' پولیس اہلکار سرِعام رشوت لیتے ہیں' وزراء ڈنکے کی چوٹ پر کہتے ہیں ''کرپشن ہمارا حق ہے'' وزیراعظم اور صدر عدالتی فیصلے تسلیم نہیں کرتے' امریکی انتظامیہ سرکاری اداروں سے براہِ راست ڈیل کرتی ہے' پورے ملک میں صفائی کا کوئی بندوبست نہیں' تعلیمی اداروں میں تعلیم نہیں' ہسپتالوں میں ڈاکٹر اور دوا نہیں' ہمارے ٹھیکیدار قائداعظمؒ اور علامہ اقبالؒ کے مزاروں تک کا فنڈ کھا جاتے ہیں اور ہماری مسجدوں اور امام بارگاہوں سے مسلمانوں کے خلاف کفر کے فتوے جاری ہوتے ہیں' مسلمان مسلمان کو امام بارگاہوں اور مسجد میں قتل کر جاتا ہے' ہماری اسمبلیوں میں گالیاں اور دھکے دیئے جاتے ہیں' لوگ افطاری کے کھانے اور عید کے کپڑوں کے لئے خودکشیاں کر رہے ہیں' آج 64 سال بعد پاکستانی پاکستانیوں سے پوچھ رہے ہیں ''ہم نے آزادی کیوں لی تھی''۔

یہ لوگ ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہیں کیا ہم نے گورے حکمرانوں کے ہاتھ سے نکل کر کالے حکمرانوں کی خدمت اور جنرل ڈائر کی رائفل کے سائے سے نکل کر جنرل مشرف کی توپ تلے بیٹھنے کے لئے آزادی حاصل کی تھی' کیا ہم نے صرف کلمہ پڑھنے' اذان دینے' نماز ادا کرنے' روزہ رکھنے' زکوٰۃ دینے اور حج کرنے کے لئے

آزادی حاصل کی تھی' اگر ہاں تو یہ فرائض تو ہم انڈیا میں بھی ادا کر رہے تھے' ہم 1947ء سے پہلے بھی حج کر رہے تھے' زکوٰۃ دے رہے تھے' روزہ رکھ رہے تھے' نماز پڑھ رہے تھے' اذان دے رہے تھے' کلمہ پڑھ رہے تھے اور یہ فرائض آج بھی انڈیا کے مسلمان' امریکا' برطانیہ' فرانس' جرمنی اور اٹلی میں رہنے والے مسلمان حتیٰ کہ اسرائیلی علاقوں کے مسلمان شہری بھی ادا کر رہے ہیں' یہ شہری اسلامی فرائض کی ادائیگی میں ہم سے بہتر بھی ہیں' ان کی مسجدوں' امام بارگاہوں اور قبرستانوں پر حملے نہیں ہوتے' ان کے بینک یکم رمضان کو ان کی زکوٰۃ نہیں کاٹتے اور ان کی مسجدوں میں سحری اور افطار کے دوران لڑائیاں جھگڑے نہیں ہوتے اور وہاں مسلمانوں کے کلمے کو مشکوک نظروں سے بھی نہیں دیکھا جاتا' یہ لوگ اگر غیر مسلم معاشروں میں ہم سے بہتر اسلامی فرائض ادا کر سکتے ہیں اور پاکستان بننے سے پہلے بھی ہمیں نماز' روزے اور کلمے کی کوئی روک ٹوک نہیں تھی تو پھر ہم نے یہ آزی کیوں حاصل کی تھی؟ کیا اس کا مقصد حکمرانوں کے صاحبزادوں کو اربوں روپے کی کرپشن کے بعد قانون سے بچانا تھا' کیا اس کا مقصد حکمرانوں کو کیسز سے محفوظ رکھنا تھا' کیا اس کا مقصد حج کے دوران حاجیوں کی کمائی لوٹنا تھا' کیا اس کا مقصد این آئی سی ایل کے اربوں روپے ہضم کرنا تھا' کیا اس کا مقصد ہر دس سال بعد کسی نہ کسی جنرل بندوق علی خان کو اقتدار کی ڈش پیش کرنا تھا اور کیا اس کا مقصد خوراک میں ملاوٹ سے لے کر قرآن مجید چھاپنے کے نام تک لوگوں کے پیسے ہڑپ کرنا تھا' اگر ہمارا مقصد یہ تھا تو پھر ہم آج کامیاب ہو چکے ہیں' پاکستان 64 سال بعد دنیا کے کرپٹ' بے ایمان اور گندے ترین لوگوں کا ملک بن چکا ہے' آج عدالت سے لے کر قبرسان تک ملک کے ہر ادارے سے تعفن اٹھ رہا ہے' آج لوگ دواء سے لے کر بجلی تک دنیا کی ہر نعمت کو ترس رہے ہیں اور لوگ آج ایک دوسرے کے کلمے اور نماز تک کو شک کی نظر سے دیکھ رہے ہیں' اگر ہمارا یہ مقصد تھا تو ہم 64 سال بعد کامیاب ہو چکے ہیں اور اگر ہمارا مقصد کچھ اور تھا تو پھر ہمیں ماننا پڑے گا ہم نے 64 سال بعد بھی اس مقصد کی طرف کوئی قدم نہیں اٹھایا' ہمیں ماننا پڑے گا ہمارا سفر کانٹوں سے شروع ہوا تھا اور جھاڑیوں پر آ کر ختم ہو گیا' ہم آزاد ہو گئے لیکن خود مختار نہیں ہو سکے اور اگر یہ کہا جائے ہم کانٹے سے پیپر پن تک تو پہنچ گئے لیکن ہم واہگے سے وعدے تک نہیں پہنچ سکے' ہم نے آزادی تو حاصل کر لی لیکن اصولوں کی قربانی دے دی۔

کاش آج 64 سال بعد ہم سے کوئی پیپر پن لے لے اور ہمیں کانٹوں والا پاکستان واپس کر دے کیونکہ اس پاکستان میں جذبہ اور اصول تو تھے' اس میں اتحاد اور ایمان تو تھا۔

(جاوید چودھری' روزنامہ ایکسپریس لاہور' 16-8-2011)

رویت ہلال ''کیلنڈر''

کیا زندگی میں کبھی آپ کی ملاقات کسی ایسے مسلمان سے ہوئی ہے جو روزانہ فجر کی نماز صبح صادق کے ظاہر ہونے پر اس سفیدی کو دیکھ کر ادا کرتا ہو جو سورج نکلنے سے قریباً ڈیڑھ گھنٹہ پہلے آسمان کے کناروں پر پھیلتی ہے؟ یا کبھی کسی کٹڑ سے کٹڑ مذہبی شخص کو بھی آپ نے یہ دعویٰ کرتے سنا ہے کہ وہ ظہر کی نماز پڑھنے سے پہلے اس کا وقت معلوم کرنے کے لئے ہر روز سورج ڈھلنے کے بعد ایک چھڑی کو کھڑا کر کے یہ چیک کرتا ہے کہ اس کا سایہ اس چھڑی کی لمبائی کے برابر ہوا یا نہیں؟ یا کبھی کسی بندے نے یہ بتایا ہے کہ وہ ہر روز عصر کی نماز اپنی سمجھ کے مطابق ظہر کا وقت نکل جانے کے بعد اس وقت ادا کرتا ہے جب سورج کے چھپنے میں ڈیڑھ گھنٹے کا وقت باقی رہ جاتا ہے؟ یا کبھی آپ کو خدا کا کوئی بندہ ایسا بھی ملا ہے جو روزانہ غروب آفتاب کا نظارہ اپنی آنکھوں سے کرنے کے بعد نماز مغرب کے وقت کا تعین کرے اور پھر نماز ادا کرے؟ اور کیا آپ کے مشاہدے میں کوئی ایسا شخص آیا ہے جو ہر روز رات کو آسمان کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو جاتا ہو تاکہ اپنی آنکھوں سے شفق کے چھپنے کا نظارہ کرے اور پھر اس وقت کے حساب سے نماز عشاء ادا کرے؟ مجھے تو آج تک ایسا کوئی بندہ نہیں ملا جو دن میں پانچ مرتبہ ان نشانیوں کو دیکھ کر نماز ادا کرتا ہو۔ ہم سب لوگ اپنی نمازیں اذان سن کر یا گھڑی پر وقت دیکھ کر یا صبح اخبار میں طلوع وغروب آفتاب کے اوقات پڑھ کر ادا کرتے ہیں اور اس کی وجہ نہایت سادہ ہے۔ نماز ادا کرنے کے اوقات کی یہ نشانیاں یقیناً آئمہ نے شریعت میں بیان کی ہیں مگر آج کل کے جدید دور میں سخت گیر ترین مسلمان بھی ان کی پیروی نہیں کرتے' وہ بھی اپنی گھڑیوں اور سائنس کے بتائے ہوئے اوقات پر عمل کر کے نماز ادا کرتے ہیں۔ مسجدوں میں ایسے کیلنڈر آویزاں ہوتے ہیں جن پر پورے پورے مہینے کے طلوع وغروب کے اوقات درج ہوتے ہیں جنہیں دیکھ کر مؤذن اذان دیتا ہے اور امام جماعت کروا دیتا ہے۔ صبح صادق کی سفیدی یا آسمان کی سرخی کون دیکھتا ہے؟ یہی حال سحر اور افطار کے اوقات کا ہے' رمضان شروع ہوتے ہی مارکیٹ میں ایسے کیلنڈر چھپ کر آجاتے ہیں جن پر پورے مہینے کے سحر اور افطار کے اوقات درج ہوتے ہیں' سارا پاکستان انہی اوقات کے مطابق روزہ رکھتا ہے' ٹی وی پر اذان سن کر ہم افطاری کرتے ہیں' باہر نکل کر کوئی نہیں دیکھتا کہ سورج ڈوبا یا نہیں!

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر نماز اور روزے جیسے بنیادی اسلامی عقائد کے ضمن میں سائنسی ایجادات اور

علوم پر اعتماد کرتے ہوئے پرانے طریقوں کو نظر انداز کر کے فرض عبادات کی جا سکتی ہیں تو رویت ہلال کی بابت یہ کلیہ کیوں نہیں اپنایا جا سکتا؟ کیوں ضروری ہے کہ ہر قمری مہینے کا تعین کسی چھت پر چڑھ کر آنکھوں سے چاند دیکھ کر ہی کیا جائے؟ اس ضمن میں علمائے کرام ایک حدیث مبارکہ بیان فرماتے ہیں۔ رسول اللہﷺ نے فرمایا: ''چاند کو دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند کو دیکھ کر عید کرو۔'' ان علمائے کرام کا استدلال یہ ہے کہ ثبوت ہلال رویت ہی سے ہوگا یعنی چاند دیکھنا ضروری ہے' کسی قسم کے سائنسی حسابات ہلال کا ثبوت نہیں ہو سکتے کیونکہ ان حسابات کے نتائج اور آلات رصدیہ سے حاصل ہونے والی معلومات اگر قطعی اور یقینی ہوتیں تو ان کے ماہرین فن کے مابین اختلاف رائے نہ ہوتا۔ یعنی بالالفاظ دیگر یہ سائنسی علم چونکہ نقائص سے مکمل طور پر پاک اور خالص نہیں اور اس میں غلطی کا احتمال ہے لہٰذا چاند کو آنکھ سے دیکھنے پر ہی رمضان' شوال یا کسی بھی قمری مہینے کا اعلان کیا جانا چاہئے۔

ان دلائل کے جواب ایک جید عالم دین مولانا شاہ محمد جعفر پھلواری نے یوں دیا ہے ''ایک امّی اور سادہ ترین تمدن رکھنے والی امت کو اس سے زیادہ اور کیا بتایا جا سکتا تھا؟ جو امت لکھنا پڑھنا بھی نہ جانتی ہو' رسول اللہﷺ اس کے لئے بجز ''رویت'' کے اور کیا طریقہ تجویز فرما سکتے تھے؟ وہاں فلکی تقویم کے وہ اکتشافات موجود نہ تھے جو علوم جدیدہ کی پیداوار ہیں نیز اس وقت رویت کا بدل صرف ایسی عینی شہادتیں ہو سکتی تھیں جو قرب و جوار سے حاصل ہو جائیں...... اس دور علوم وفنون میں یہ سمجھنا کہ طلوع ہلال کی صحیح تاریخ و وقت نہیں بتایا جا سکتا' عجب خوش فہمی ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ مختلف حلقے (Areas) معین کر دیئے جائیں کہ فلاں Zone میں فلاں دن اور فلاں ایریا میں فلاں وقت چاند نکلے گا۔ اس فلکی حساب پر اعتماد کر کے اسلامی تقریبات ادا کرنے میں کوئی شرعی قباحت نہیں معلوم ہوتی۔ اگر فلکی حسابات میں یا ریڈیو' تار' خط اور ٹیلی فون میں غلطی یا شرارت کا امکان ہے تو یقین کیجئے کہ غلطی و شرارت کا اتنا ہی امکان حلفیہ شہادات میں بھی موجود ہے...... اگر فلکی حساب سے یہ اعلان کر دیا جائے کہ فلاں وقت چاند یا سورج گرہن لگے گا اور اسی کے مطابق صلوٰۃ الکسوف یا صلوٰۃ الخسوف کا اعلان کر دیا جائے تو اس اعلان کو ہرگز خلاف شریعت نہ قرار دیا جائے گا۔ غرض کئی جگہ دینی معاملات میں فلکیات پر اعتماد ہوتے ہیں اگر ہلال رمضان و عیدین میں بھی فلکیات پر اعتماد کر لیا جائے تو کون سی قیامت آ جائے گی...... پھر اس کے فنی نقص کی یہ دلیل کہ اس کے ماہرین کی آراء میں بہت اختلاف ہوتا ہے' کوئی وزنی دلیل نہیں۔ وہ کون سا فن ہے جس کے ماہرین میں اختلاف نہیں

ہوتا؟ ہر فن کے علماء میں ایک سے زیادہ آراء ہوتی ہیں لیکن اس فن کو محض اس وجود اختلاف کی وجہ سے کلیتہً رد نہیں کر دیا جاتا۔ اگر یہ طریقہ اختیار کیا جائے تو سب سے پہلے پوری فقہ اسلامی کو رد کرنا پڑے گا کیونکہ کوئی بھی اہم فقہی مسئلہ ایسا نہیں جس میں دس طرح کی رائیں نہ ہوں، جن میں صرف اختلاف ہی نہیں ہوتا بلکہ تناقص و تباین تک ہوتا ہے......''۔

یہ اقتباس مولانا کی کتاب ''اجتہادی مسائل'' کا ہے۔ یقیناً مولانا کے دلائل نا قابل تردید ہیں اور انہیں رد کرنا قریباً ناممکن۔

جو علمائے کرام سائنسی حسابات پر اعتماد کرنے کی بجائے چاند کو آنکھ سے دیکھنے پر بضد ہیں، ان سے یہ سوال بھی پوچھا جانا چاہئے کہ پھر اس کام کے لئے وہ دوربینوں کا استعمال کیوں کرتے ہیں، بلکہ عینک بھی کیوں لگاتے ہیں کیونکہ لامحالہ یہ بھی تو سائنسی ایجادات ہیں! بعض اوقات موسم کی وجہ سے کئی کئی دن سورج نہیں نکلتا، مطلع ابر آلود ہونے کی وجہ سے چاند بھی نظر نہیں آتا تو کیا اس دوران مسلمانوں کے نماز روزے میں تعطل پیدا ہو جاتا ہے؟ ہرگز نہیں، مسلمان گھڑیاں دیکھ کر نمازیں ادا کرتے ہیں اور ٹی وی دیکھ کر افطاری۔ جب نماز اور روزے کے ضمن میں سائنس پر اعتماد کر لیا گیا ہے اور شریعت کے مروجہ طریقوں میں آٹومیٹک انداز سے اجتہاد کا راستہ اپنا لیا گیا ہے تو ننگی آنکھ سے چاند دیکھنے کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟ سال بھر کا قمری کیلنڈر علم فلکیات کی مدد سے بنا کر گھروں میں ٹانگ لیا جائے اور اسی کی مدد سے رمضان، شوال اور دیگر اسلامی مہینوں کو آبزرو کیا جائے۔ ایک قوم، ایک امت، ایک عید۔

اس سارے معاملے میں پاکستان میں کسی حد تک سیاست بھی شامل ہے۔ حکومت نے ہر مسلک کے علمائے کرام کو وفاقی اور صوبائی سطح کی رویت ہلال کمیٹیوں میں Accomodate کیا ہوا ہے۔ ہر مہینے ان کمیٹیوں کے اجلاس منعقد ہوتے ہیں، گو کہ ہر مرتبہ انہیں میڈیا میں وہ پذیرائی نہیں ملتی لیکن پھر بھی رمضان، شوال، ذی الحج اور محرم کے چاند دیکھنے کے دنوں میں رویت ہلال کمیٹی کو میڈیا میں اتنی کوریج ضرور مل جاتی ہے کہ سال کے باقی دنوں میں وہ ٹی وی ٹاک شوز میں شرکت کر کے اچھا وقت گذار لیتے ہیں۔ اگر حکومت یہ رویت ہلال کمیٹیاں توڑ کر اعلان کر دے کہ آئندہ پنجاب یا کراچی یونیورسٹی کے شعبہ فلکیات کا بنایا ہوا ''رویت ہلال کیلنڈر'' نافذ العمل ہوگا تو یہ جھگڑے کافی حد تک ختم ہو جائیں مگر حکومتیں ایسے نہیں کرتیں۔ حکومت ان کاموں کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دے دیا کرتی ہے یا ایک مبہم سی ''ہدایت'' جاری کر دیتی ہے کہ تمام فریقین کی رضامندی سے کوئی حل نکالا جائے...... اور ایسا حل

قیامت تک نہیں نکل پاتا!

(یاسر پیرزادہ، بشکریہ روزنامہ جنگ لاہور 2011-8-7)

کلمہ ہے لیکن اسلام نہیں

میں نے پیرس سے لندن آتے ہوئے ایک چھوٹا سا منظر دیکھا، یہ ایک معمولی سا واقعہ ہے لیکن آپ اس سے ترقی یافتہ قوموں کی اخلاقیات کا انداہ لگا سکتے ہیں اور یہ پہلا سبق تھا جو میں نے پچھلے بیس سال کے بین الاقوامی سفروں کے دوران سیکھا۔ پیرس کے ریلوے اسٹیشن پر ایک گورا خاندان بیٹھا تھا، اس کے سربراہ نے کان سے ہیڈفون لگا رکھا تھا، یہ میوزک سن رہا تھا، اس دوران اسکے ذہن میں کوئی بات آئی، وہ اپنی بیگم کی طرف مڑا اور ذرا سی بلند آواز میں بولا ''تم نے میرے سلیپر سامان میں پیک کر دیئے تھے'' یہ آواز ذرا سی بلند تھی، ہم لوگ عام حالات میں اس سے اونچی آواز میں بات کرتے ہیں، ہمارا سلام پچھلے محلے تک جاتا ہے، یورپ کے لوگ آہستہ بولتے ہیں، یہ بلند آواز کو بداخلاقی بھی سمجھتے ہیں اور دوسروں کے حقوق کی خلاف ورزی بھی چنانچہ اس صاحب کی بلند آواز پر اس کی بیگم اور اس کے بچے تڑپ کر رہ گئے۔ انہوں نے اسے گھور کر دیکھا، بیگم نے جھپٹ کر اس کے کانوں سے ایئرفون اتارے اور ہاتھ کے اشارے سے بتایا، آہستہ بولو، تم لوگوں کے درمیان بیٹھے ہو، وہ شرمندہ ہو گیا اور دائیں بائیں دیکھا، میں اسے غور سے دیکھ رہا تھا، اس نے میری طرف دیکھا اور فوراً بولا ''میں معافی چاہتا ہوں، آپ میری وجہ سے ڈسٹرب ہوئے'' میں اس کی شرمندگی پر شرمندہ ہو گیا۔

مجھے اگر اپنے علمائے کرام، مولوی حضرات اور مذہب کے ٹھیکیداروں کا خوف نہ ہو تو میں یورپ، امریکا اور جاپان سمیت پوری ترقی یافتہ دنیا کو اسلامی معاشرہ قرار دے دوں کیونکہ آپ کو اسلام کے جتنے اصول ان ممالک میں دکھائی دیتے ہیں اتنے کسی اسلامی ملک میں نظر نہیں آتے۔ مثلاً مسلمانوں کو آہستہ بولنے کا حکم ہے، یورپ میں اس حکم کی پیروی دکھائی دیتی ہے، کسی ملک میں بلاوجہ ہارن نہیں بجایا جاتا، آپ گلی میں کسی دوسرے کے مکان حتیٰ کہ اپنے مکان کے سامنے کھڑے ہو کر اونچی آواز میں گفتگو نہیں کر سکتے، دیہات، ٹاؤنز اور بڑے شہروں میں خاموشی ہوتی ہے، سوئٹزرلینڈ کے اکثر علاقوں میں رات کے وقت گاڑی چلانے کی اجازت نہیں، فلیٹس میں آپ رات کے وقت فلش نہیں چلا سکتے کیونکہ اس سے ہمسایوں کی نیند میں خلل آتا ہے۔ مسلمانوں کو حکم دیا گیا تم دوسروں کی ذاتی زندگی میں مداخلت نہ کیا کرو، آپ کو یورپ میں یہ اصول بھی ملتا ہے، لوگ کبھی دوسروں کی ذاتی زندگی میں دخل نہیں دیتے، کوئی دوسرے گھر میں جھانک کر نہیں دیکھتا، ان ممالک میں کوئی کسی سے اس کی آمدنی کے بارے میں بھی سوال نہیں کرتا، یہاں کوئی کسی سے اس کا عقیدہ بھی نہیں

پوچھتا' کوئی چرچ جاتا ہے' کوئی مندر میں ماتھا ٹیکتا ہے یا کوئی مسجد جاتا ہے کسی کو کسی سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔ مسلمانوں کو معذرت اور شکریہ کا حکم دیا گیا تھا' یورپ میں یہ اسلامی اصول بھی دکھائی دیتا ہے' یہاں کسی کی وجہ سے کسی کو ذرا سی بھی تکلیف پہنچے یہ فوراً دوسرے سے ''سوری'' کرتا ہے اور کوئی کسی کو معمولی سی بھی ''فیور'' دے دے' یہ آپ کو راستہ دے دے' یہ آپ کو کوئی چیز پکڑا دے یا یہ آپ کی طرف مسکرا کر دیکھ لے یہ فوراً تھینکیو کہے گا اور اس کے جواب میں ''یو آر موسٹ ویل کم'' سنے گا۔ یورپ اور امریکا میں اور کوئی گاڑی کسی دوسری گاڑی کو راستہ دے دے تو دوسری گاڑی کا مالک ہاتھ کے اشارے سے اس کا شکریہ ادا کرتا ہے' اگر کوئی گاڑی کسی گزرنے والے کو راستہ دے دے تو گزرنے والا ہاتھ کے اشارے سے اس کا شکریہ ادا کرتا ہے۔ یہاں آپ کوئی چیز خریدتے ہیں تو سیلز مین کو پلیز کہتے ہیں اور چیز خریدنے کے بعد اسے تھینکس کہتے ہیں۔

آپ مسکراہٹ کو لیجئے' مسلمانوں کو مسکرانے کا حکم دیا گیا تھا' مسلمانوں سے کہا گیا تھا تم اپنے بھائی کی طرف مسکرا کر دیکھو' ہمیں یہ اصول بھی یورپ' امریکا اور مشرق بعید کے غیر اسلامی ممالک میں ملتا ہے' آپ چلتے چلتے کسی شخص کی طرف دیکھیں' وہ اس کے جواب میں آپ کی طرف مسکرا کر دیکھے گا' لوگ ہیلو اور ہائے کے ساتھ مسکرائیں گے اور اس کے بعد آپ سے آپ کا مطالبہ سنیں گے۔ مسلمانوں کو قانون کی پابندی کا حکم دیا گیا تھا' آپ کو یہ اصول بھی یورپ میں دکھائی دے گا' پیرس میں بڑی سڑکوں کے درمیان لمبائی کے رخ ایک لمبی لکیر لگا کر آنے اور جانے والی ٹریفک کو الگ الگ کر دیا گیا ہے' حکومت نے اس لکیر کو دیوار ڈکلیئر کر دیا ہے' حکومت کا کہنا ہے جس طرح آپ دیوار پر گاڑی چڑھا کر دوسری طرف نہیں جا سکتے بالکل اسی طرح آپ یہ دیوار بھی کراس نہیں کر سکتے' لوگ قانون کے احترام کی وجہ سے اس لکیر کو دیوار سمجھتے ہیں اور کوئی شخص اس لکیر سے گاڑی کو ٹرن کرنے کا رسک نہیں لیتا۔ یورپ میں کوئی شخص ریڈ لائٹ کراس نہیں کرتا' کوئی زیبرا کراسنگ کے علاوہ کسی جگہ سے سڑک عبور نہیں کرتا' کوئی شخص قطار پھلانگنے کی غلطی نہیں کرتا' کوئی سکہ ڈالے بغیر ''پبلک ٹوائلٹ'' استعمال نہیں کرتا اور کوئی ہمسائے کی اجازت کے بغیر گھر میں بھاری مشینری کا استعمال نہیں کرتا' خواتین پورے یورپ میں ننگی دھڑنگی پھرتی ہیں لیکن کسی کو ان کی طرف ترچھی نظر سے دیکھنے کی جرات نہیں ہوتی' لوگ بچوں کو ڈانٹنے اور مارنے کا سوچ بھی نہیں سکتے اور کوئی شخص بچوں سے پڑھائی کا حق نہیں چھین سکتا۔ مسلمانوں کو مساوات کا حکم دیا گیا تھا' اسلام میں کوئی چھوٹا اور بڑا نہیں ہوتا اور کسی عربی کو عجمی پر فوقیت نہیں ہوتی' یہ اصول بھی یورپ میں دکھائی دیتا ہے' یہاں گورا ہو یا کالا تمام لوگ حقوق میں برابر ہیں اور آپ صرف رنگ اور نسل کی بنیاد پر

کسی سے کسی کا کوئی حق نہیں چھین سکتے۔ آپ بل گیٹس ہیں یا بل، آپ شہزادی این ہیں یا ہوم لیس میری، آپ سٹیٹ کی نظر میں برابر ہیں۔ آپ کے بچے ایک ہی قسم کے سکول میں ایک ہی قسم کا سلیبس پڑھیں گے، آپ سے کوئی جرم سرزد ہو جائے گا تو قانون اور عدالت آپ کا رتبہ نہیں دیکھے گی، آپ اور آپ کے خاندان کا انہیں ہسپتالوں میں علاج ہوگا جن میں وزیراعظم اور ملکہ کے خاندان کا ہوتا ہے اور دونوں کو دوائی حکومت دے گی۔ پچھلے مہینے برطانوی وزیراعظم اور نائب وزیراعظم ایک ہسپتال کے دورے پر گئے، یہ لوگ حفاظتی انتظامات کے بغیر ایک مریض کے کمرے میں داخل ہو گئے، ڈاکٹر نے میڈیا کے سامنے دونوں کو ڈانٹ کر باہر نکال دیا اور دونوں چپ چاپ باہر آ گئے۔ مسلمانوں کے لئے صفائی کو نصف ایمان کا درجہ دیا گیا تھا، آپ کو یورپ میں یہ اصول بھی دکھائی دے گا، آپ یورپ کے کسی ملک میں اس وقت تک تفریح کا کوئی مقام، کوئی ریستوران، پب اور کوئی پبلک پلیس نہیں بنا سکتے جب تک آپ اس میں ٹوائلٹ نہ بنائیں، حکومت کے خفیہ ادارے ان ٹوائلٹس کی صفائی بھی چیک کرتے رہتے ہیں، اس ٹوائلٹ میں صابن بھی ہونا چاہئے، ٹوائلٹ پیپر بھی ہونا چاہئے اور ہر آدھ گھنٹے بعد اس کی صفائی بھی ہونی چاہئے، میں نے ان ٹوائلٹس میں جانے والے تمام لوگوں کو صابن سے ہاتھ دھوتے بھی دیکھا، اسلام میں ہاتھ دھونے کے بعد تولئے سے ہاتھ صاف کرنے کی ممانعت ہے اس کی وجہ جراثیم ہوتے ہیں، یورپ میں اس اصول پر بھی عمل ہوتا ہے، تمام ٹوائلٹس میں ہاتھ صاف کرنے کے ٹشو پیپر استعمال ہوتے ہیں یا پھر گرم ہوا کی مشینیں لگی ہیں، اکثر جگہوں پر یہ دونوں بندوبست موجود ہیں، لوگ کاغذ کا چھوٹا سا پرزہ اور سگریٹ کا ٹوٹا پھینکنے کے لئے بھی ڈسٹ بِن تلاش کرتے ہیں اور گلیاں، بازار اور فٹ پاتھ روزانہ پانی سے دھوئے جاتے ہیں، کارپوریشن کی بڑی بڑی گاڑیاں لوگوں کے گھروں کے سامنے سے کچرا بھی اٹھا کر لے جاتی ہیں اور پورے یورپ میں ریستوران کا عملہ گلوز پہنے بغیر کھانے پینے کی اشیاء کو ہاتھ نہیں لگاتا۔ اسلام نے حکمرانوں کو عام عوام کو سہولتیں فراہم کرنے کا حکم دے رکھا ہے، یہ اصول بھی صرف انہیں معاشروں میں دکھائی دیتا ہے، یہ لوگ ایماندار ترین لوگوں کو اپنا حکمران بناتے ہیں اور یہ حکمران عام آدمی کی ''کوالٹی آف لائف'' امپروو کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے ہیں، ان ممالک میں حکمرانوں کا کڑا احتساب بھی ہوتا ہے اور یہ لوگ چھوٹے چھوٹے الزامات کے بعد استعفیٰ دینے پر بھی مجبور ہو جاتے ہیں اور اسلام نے تمام مسلمانوں کو ایمانداری کا حکم دے رکھا ہے، یہ اصول بھی صرف انہیں معاشروں میں دکھائی دیتا ہے، ان ممالک میں کوئی تاجر کم تولنے، ملاوٹ کرنے اور خرید وفروخت میں دھوکا دینے کا سوچ بھی نہیں سکتا، آپ چیز خریدنے کے بعد اسے سو سو بار تبدیل کر سکتے

ہیں اور اس میں کوئی نقص نکل آئے تو اسے واپس لینا دکاندار کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ غرض آپ یورپ جائیں تو آپ کو وہاں وہ سارا اسلام ملتا ہے جو ہم کتابوں میں پڑھتے ہیں یا پھر ہمارے علمائے کرام ہمیں سناتے ہیں جبکہ ہم جب اسلامی معاشروں میں جھانک کر دیکھتے ہیں تو ہمیں یہاں مسجدیں' اہل ایمان' ذکر اور تقریریں تو ملتی ہیں لیکن صفائی سے لے کر ایمانداری تک اسلام کا کوئی اصول دکھائی نہیں دیتا۔

آپ یورپ جائیں' امریکا اور مشرق بعید کے ترقی یافتہ ممالک کا دورہ کریں' آپ کو ان میں پورا پورا اسلام ملے گا' آپ کو اگر ان میں کوئی کمی دکھائی دے گی تو یہ کلمہ ہوگا' یہ لوگ آج کلمہ پڑھ لیں تو یہ چودہ سو سال پرانے شاندار مسلمان بن جائیں جبکہ ہمارے پاس کلمہ وافر مقدار میں موجود ہے لیکن اسلام نہیں ہے۔ آپ اللہ کا نظام دیکھئے ان لوگوں میں اسلام ہے لیکن کلمے کی کمی ہے جبکہ ہمارے پاس کلمہ ہے لیکن اسلام نہیں ہے۔

(جاوید چودھری' روزنامہ ایکسپریس لاہور' 24-7-2011)

ماہنامہ طلوعِ اسلام

☆ طلوعِ اسلام بلند پایہ علمی پرچہ ہے۔ ☆ پاکستان کے ہر گوشے اور ہر طبقے میں گہری دلچسپی سے پڑھا جاتا ہے۔ ☆ پاکستان کے علاوہ دیگر ممالک میں بھی جاتا ہے۔ ☆ اس میں شائع شدہ اشتہارات ہزاروں خریداروں کی نظروں سے گزرتے ہیں۔ اس میں اشتہار دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیجئے۔

اشتہارات کے REVISED نرخ یہ ہیں

ٹائٹل کے صفحات	ایک بار	سال بھر کے لئے
بیرونی ٹائٹل	-/1500 روپے	-/15000 روپے
اندرونی ٹائٹل	-/1200 روپے	-/12000 روپے
اندرون صفحات		
پورا صفحہ	-/1000 روپے	-/10000 روپے
نصف صفحہ	-/500 روپے	-/5000 روپے
چوتھائی صفحہ	-/250 روپے	-/2500 روپے

☆ مذکورہ شرح ایک رنگ کے اشتہار کے لئے ہے۔ ☆ اشتہار شائستہ اور معیاری ہونا چاہئے۔

☆ اجرت اشتہار مسودہ کے ہمراہ ارسال فرمائیں۔

پاکستان میں

غلام احمد پرویز علیہ الرحمتہ

کا درس قرآن کریم مندرجہ ذیل منظور شدہ مقامات پر ہوتا ہے

نوٹ: نمائندگان محترم سے التماس ہے کہ ایڈریس یا اوقاتِ درس میں تبدیلی کی صورت میں ادارہ کو فی الفور مطلع فرمائیں۔

شہر	مقام	دن	وقت
اوکاڑہ	برمکان احمد علی، بیت الحمد 4-180-AB، شادمان کالونی، ایم۔اے جناح روڈ، نزد مبارک مسجد رابطہ میاں احمد علی: 0442-527325، موبائل: 0321-7082673	بروز جمعہ	3PM
پنج کسی	برمطب حکیم احمد دین۔ رابطہ ڈاکٹر محمد سلیم قمر تحصیل کبیر والا	بروز جمعہ	3PM
جہلم	جنجوعہ ٹاؤن، پوسٹ آفس فوجی ملز، نزد بیکن ہاؤس سکول۔ رابطہ قمر پرویز	ہر ماہ پہلی اور آخری اتوار	4PM
چوٹی زیریں	بردوکان لغاری برادرز، زرعی سروس، ڈیرہ غازی خان۔ رابطہ: ارشاد احمد لغاری۔ موبائل: 0331-8601520	ہر ماہ پہلا اتوار	12 بجے دن
چنیوٹ	W-11/9، گوجر چوک (گنبد والی کوٹھی) سیٹلائیٹ ٹاؤن۔ رابطہ: آفتاب عروج، فون: 047-6331440-6334433، موبائل نمبر: 0345-7961795	بروز جمعہ	بعد نماز جمعہ
حیدرآباد (قاسم آباد)	محترم ایاز حسین انصاری، B-12، حیدرآباد ٹاؤن، فیز نمبر 2، قاسم آباد بالمقابل نسیم نگر آخری بس سٹاپ۔ رابطہ موبائل: 0336-3080355	بروز جمعہ	بعد نماز عصر
راولپنڈی	فرسٹ فلور، کمرہ نمبر 114، فیضان پلازہ۔ کمیٹی چوک۔ رابطہ ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ، موبائل: 0331-5035964	بروز جمعہ بروز اتوار	4PM 4PM
راولپنڈی	برمکان امجد محمود، مکان نمبر 14/A، گلی نمبر 4، راہِ طلوع اسلام، جنجوعہ ٹاؤن، اڈیالہ روڈ، نزد جراہی سٹاپ، راولپنڈی۔ رابطہ: رہائش: 051-5573299، موبائل: 0322-5081985	بروز اتوار	10AM
خان پور	بمقام مکان حبیب الرحمان، محلہ نظام آباد، وارڈ نمبر 9 خان پور، ضلع رحیم یار خان رابطہ: نمائندہ حبیب الرحمٰن۔ فون نمبر گھر: 068-5575696، دفتر: 068-5577839	بروز جمعہ	3PM
سیالکوٹ	معرفت کمپیوٹر سٹی، سٹی ہاؤس، سٹی سٹریٹ، شہاب پورہ روڈ، رابطہ: محمد حنیف، 03007158446۔ محمد طاہر بٹ، 0300-8611410۔ محمد آصف مغل 0333-8616286۔ سٹی ہاؤس 052-3256700	ہر دوسرے اتوار	5PM
سرگودھا	B-4، گلی نمبر 7، بلاک 21، نزد مکی مسجد چاندنی چوک، رابطہ۔ ملک محمد اقبال۔ فون: 048-711233	بروز منگل	7PM

فیصل آباد	رحمان نور سینٹر' فرسٹ فلور' مین ڈگلس پورہ بازار' رابطہ: محمد عقیل حیدر' موبائل: 0313-7645065	بروز جمعہ	4PM
فتح پور' سوات	فتح پور' سوات' رابطہ: خورشید انور' فون: 0946600277' موبائل: 0315-9317755	بروز اتوار	3PM
	محترم ظاہر شاہ خان آف علی گرام' سوات کا ڈیرہ۔ موبائل: 0346-9467559	ہر اتوار	9AM
کراچی	105 سی بریز پلازہ' شاہراہ فیصل۔ رابطہ شفیق خالد' فون نمبر: 0300-2487545	بروز اتوار	10AM
کراچی	A-446 کوہ نور سنٹر' عبداللہ ہارون روڈ' رابطہ محمد اقبال۔ فون: 021-35892083' موبائل: 0300-2275702	بروز اتوار	10AM
کراچی	ڈبل اسٹوری نمبر 16' گلشن مارکیٹ' کورنگی نمبر 5' ایریا 36/C' پوسٹ کوڈ 74900 رابطہ: محمد سرور۔ فون نمبرز: 021-35031379-35046409' موبائل: 0321-2272149	بروز اتوار	2PM
کراچی	نالج اینڈ ویزڈم سنٹر' سلمان ٹاورز' آفس نمبر A-45' بالمقابل نادرا آفس' ملیر سٹی۔ رابطہ: آصف جلیل فون: 021-35421511' موبائل: 0333-2121992' محمود الحسن۔ فون: 021-35407331	بروز اتوار	11AM
کوئٹہ	صابر ہومیو فارمیسی تو غی روڈ۔ رابطہ ڈاکٹر غلام صابر' فون: 081-2825736	بروز اتوار	4PM
گوجرانوالہ	شوکت نرسری' گل روڈ' سول لائنز۔ رابطہ چوہدری تسنیم شوکت' موبائل: 0345-6507011	بروز جمعہ	بعد نماز عصر
لاہور	B-25' گلبرگ 2' (نزد مین مارکیٹ' مسجد روڈ)۔ رابطہ فون نمبر: 042-35714546	بروز اتوار	10AM
لاہور	قرآنک ریسرچ سنٹر متصل لاہور میڈیکل اینڈ ڈینٹل کالج' ہربنس پورہ۔ رابطہ: ہارون' 0322-4947258	بروز جمعہ	5:30PM
لاڑکانہ	برمکان اللہ بخش شیخ نزد قاسمیہ محلہ جاڑل شاہ' رابطہ سکندر علی عباسی' فون: 074-4042714	بروز جمعہ	بعد نماز مغرب
منڈی۔۔ بہاؤالدین	رابطہ: خان محمد' (وڈیو کیسٹ) برمکان ماسٹر خان محمد گلی نمبر 1' محلہ صوفی پورہ۔ فون نمبر: 0456-520969 موبائل نمبر: 0334-4907242	بروز جمعہ	10 AM
نواں کلی' صوابی	رابطہ ہومیو ڈاکٹر ایم۔ فاروق' محلہ خدر خیل۔ فون نمبر:	بروز اتوار	10 AM
صوابی	بمقام چار باغ' (حجرہ ریاض الامین صاحب)' (رابطہ: انچارج یوٹیلیٹی سٹورز' مردان روڈ' صوابی) فون نمبرز: (0938)310262, 250102, 250092	بروز اتوار	3 P.M

غلام احمد پرویز علیہ الرحمۃ کی جملہ تصانیف اور ماہنامہ طلوع اسلام کا تازہ شمارہ بھی

انہی جگہوں پر دستیاب ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

خریدار حضرات خصوصی توجہ فرمائیں

جن خریدار حضرات کی زرِ شرکت ماہنامہ طلوع اسلام ختم ہو چکی ہے وہ برائے مہربانی جلد از جلد ادارہ کو ارسال فرمائیں۔ شکریہ

We Dilute Significance of Ramadan

By

Ubedur Rahman Arain

(This article of learned Mr. Ubedur Rahman Arain was published in Arab Times, Kuwait, which is being published with thanks due to its comprehensiveness and significance as it truly speaks volumes of truth in just a few paragraphs. ***(Idara)***

=====================================

Assalamualaikum!

Muslims all over the world are happy that the blessed month of Ramadan is here. They have been waiting for it for eleven months; a month during which they fast from sunrise to sunset and strive to stay pure as was ordained to earlier nations. They do so willingly without any remorse and consider these restrictions to be blessings. Ramadan has been singled out to be a period during which the Muslims practice and develop their ability to self restraint (2:183). The reason for selecting this particular month for such a crucial exercise is cited by Allah to be that the Holy Quran, the last and the final message of God, was revealed to Prophet Mohammad (PBUH) during this time (2:185), and that is indeed of great significance.

This Holy Book of Guidance and Values was revealed to mankind as a beacon of light (4:174) during a time of total darkness of values, and is such a blessing that the Muslims rejoice its advent throughout the month of Ramadan, the end culminating in the celebrations of Eid ul Fitr.

The practice of conscious abstinence introduces discipline into our lives; by strengthening our personalities through self restraint we get the chance to cleanse ourselves of the debris of unwanted habits that accumulate as we struggle through life. This month also gives us an opportunity to seek Allah's forgiveness, remember to pay our Zakat obligations and read and ponder on the Quran as much as we can, to enable us to do what Allah has ordained and refrain from what He asks us to abstain from (22:41).

However, it is a bit ironic that we seem to have forgotten this purpose and Ramadan instead appears to be a month of excessive eating and buying. All the adverts and messages in the media and shopping centers are about food. Images of chicken, rice, jelly, milk, dry fruits, etc. etc. flood our television, newspapers and magazines. Shoppers are encouraged to buy more and more and there is a frenzy of sales at every grocery store and outlet. Restaurants send you text messages to your mobile phone with special offers. If you do not know any better we seem to be hosting a big shopping and eating festival.

What has all this to do with the blessed month of Ramadan? We dilute the significance of the month but converting it into a mere social event. Why don't we give out societal messages instead such as, "Pay your workers decent wages, commensurate with the cost of living", "Do not keep your domestic helpers awake all night", "Be polite and humble in your dealings with others", "Work harder this month and give more charity with your extra earnings", "Don't waste food", in short reduce your needs and think of others? When we feel hungry during the day we should not only look forward to filling our own belly but remember the hunger of those who cannot afford or do not have access to food.

Unfortunately some of the poorest nations in the world where there is severe hunger are populated by Muslims. We should try to rid them of their hunger forever, not only by feeding them but by also improving their quality of life so that one day they can earn their own bread and feed themselves.

The Quran being a Book of Guidance for all mankind has advice on all possible conditions human society can have. These include verses on some very difficult and serious situations such as crime and war; but also scores of verses on compassion, forgiveness, being caring, providing for the needy and orphans, being respectful of human beings at large and being just with people under all circumstances, even if the result would go against ourselves or even if the other party is our enemy.

I have selected just a few of these verses as a reminder:

Eat and drink but be not be wasteful (7:30); Do not spend without reason (17:26); Always converse in clear, straightforward and decisive language (33:70); Speak in words that are commonly recognized and used (4:5); Do not follow anything without an inquiry (17:36); Always ponder over things (7:179); Do not spy on other people's affairs that do not concern you (49:12); Never think that you have reached the final stage of knowledge (12:76); When you meet each other, offer good wishes and blessings (4:86); Do not expect a return for your good behavior (76:9); Co-operate with one another in good and virtuous matters (5:2); Always fulfill your promise (17:34); Observe assembly etiquettes while sitting in and leaving (58:11); When you are invited for a meal, do not go there before time (33:53); Do not be jealous of others (4:54); Do not slander each other (49:12); Do not envy (4:54); Do not laugh at others (49:11); Avoid suspicion and mistrust (49:12); Do not get into fits of extreme anger (3:133); Forgive him who repents seeks forgiveness (6:54).

This fair side of Islam needs to be promoted by Muslims with their words and deeds just as our beloved Prophet Mohammad (PBUH) and his pious companions did 1,400 years ago. That is the true nature of Islam which will teach us to better human beings resulting in a peaceful, tolerant society and world.

================================

Qadar, Taqdeer (Lughat-ul-Quran)

ق د ر

By Ghulam Ahmad Parwez

Translated by: Dr. Sohail Alam

============================

قدرٌ *(QADRun)* means an estimation, valuation, scale, measurement, computation, etc.

قدرتُ الشّیٔ, I appraised the thing, I measured the thing, determined its length, width, breadth, value, its proportions, etc.

ق د ر الشّیٔ بشیٔ means he measured a thing by using another thing as a reference to determine the similarities and differences between them, or how they are mutually related (proportion, etc).

QADARTU ALAIHI ATTHAUWBA, I made clothing according to his measurements.

QADDARTU ALAIHI AS-SHAY'A, I made specific changes to the thing in order for it to conform (to whatever it is being compared to or measured against).

TAQDEER means to make one thing conform to or be predicated upon something else.

MIQDAR means that which serves as a model or pattern or measure for other things to be based on. (Taj).

ق د ر means the assessment of something, whether volume, bulk, length, breadth, etc. *HATHA* ق د ر U *HATHA* means this thing, in its measurements, proportions, pattern, etc., is similar to the other thing; both items are built along the same pattern. *JAA' ALA QADR IN* means it came according to measure; it was comfortable; it matched; it suited. *JAAWAZA QADR AHU* means he overstepped, went beyond, exceeded, his proper measure, bound, or limit.

AQDAR is a horse that walks so its hind legs follow exactly in the footsteps of its front legs.

QUDAAR is a man of medium (proportionate) height, not especially tall or short.

AL-MUQTADARU is the middle part of anything. *KEM QADARATU NAKHLIKA* means what is the specific spacing between your date palms.

AL-MUQADDIR commonly refers to a person that can correctly estimate the crop yield. *QIDR (QUDOOR pl.)* refers to a pot or cauldron. *QADEER* refers to a stew prepared in a pot with a good balance of spices, and *QUDAAR* is the one who cooks such a stew (and can also refer to a butcher).

In Surah Ar-Raad it states “He sends down rain from the sky and valleys flow according to their capacity… (13:17).” ق د ر here means according to the measurement of the capacity of the rivers. In Surah al-Hijr, “And there is not a thing but that with us are its depositories, and We do not send it down except according to a known and specified measure (15:21).” In Surah Saba, *QIDR* is used to mean a large stationary cauldron: “They made for him what he willed of elevated chambers, statues, bowls like reservoirs and stationary kettles… (34:13).” In Surah al-Maidah, the meaning of overpowering is used: “…before you overcome [i.e. apprehend] them. (5:34).” In Surah al-Anbiyaa’, “[he] thought that we would not apprehend him (or bring him to account).”In Surah Bani Isra’il, it states “Indeed your *Rabb* extends provision for whom He wills and restricts [it from whom He wills] (17:30).” Here ق د ر, meaning giving in careful measure and restricted, has been used in contrast to BAST, meaning generous and open.

Based on the above, one can make the following important conclusions:

1. ق د ر and *TAQDEER* essentially mean to estimate or measure, to conform to a proportion or scale, to maintain something exactly according to a measure, and to be balanced as well as moderate. These key concepts aid in understanding the usage of ق د ر and its derivatives throughout the Quran.

2. Since keeping something according to a measure, balance or scale requires control over that object, ق د ر can also mean to wield power or influence or something. *QADARTU ALA SHAY’I* means that I had influence over the thing to shape it according to my will or design. *MA LEE ALAIKA MAQDURAH (*or *MAQDARAH* or *MAQDIRAH* or *QUDRAH)* means I do not have any power or influence over you. Similarly, *QADDARA* means to prepare something or to contemplate how to take action on a matter; to decide.

3. If you give something without measuring it, it suggests an element of generosity and conversely, if you give something only after careful measurement, it suggests an element of miserliness or constraint. Since ق د ر implies a careful measurement, it has a connotation of constraint in it. It can also mean to respect someone, taking careful account of their status and position. (e.g. 6:91 Lane).

To properly understand the meaning of *TAQDEER*, the reader may need to refer to the section *SHEEN YA ALIF* which addresses the three components of Allah's will. The first component is God's command *(Amar* Allah*),* the decree that brings a thing into existence, after which it is bound to particular laws forming the model or pattern for that thing, i.e. its *taqdir*. The *taqdir* of fire is that it burns, of water that it is liquid, flows, and turns to steam or ice at particular temperatures. In Surah al-Furqan, it states "…and [He] created each thing and modeled it with a *taqdir* (faqaddarahu taqdeeran)." Imam Raghib, in his discussion of this topic, stated that Allah's *Taqdir* as it relates to the non-human sphere comes in two observable varieties. First, a thing may be created instantly and will not change any further until Allah decides to destroy it or change it Himself (e.g. the sky). The second relates to objects that have the potential within them for change and will slowly change according to that innate potential, e.g. the potential of the seed to slowly grow into a tree.

In regards to the first category (those things that do not change or have reached the limit of their *taqdir*), though Imam Raghib's observations may have been sound in his day, modern understanding reveals that even those apparently immutable objects evolve, albeit at a subtle and almost imperceptible rate. With or without this modern revelation, it is clear that as a thing develops and evolves, its potentialities are gradually fulfilled until it reaches its fully actualized state and achieves its *taqdir*. *MAQDOOR* is that which gradually changes according to its model.

In the verses of Musa (AS)'s first trip to Mount Sinai (when he entered prophethood), the Quran states that this was not mere chance or luck, rather, he had been carefully prepared for the task. The circumstances of his birth and how he was raised, when he moved to Madyan and became a shepherd, were all part of his preparation and training so that, step by step "…then [and not before], oh Musa! Did you meet the standard (or were suitable) [for a prophet] *(THUMMA JI'TA ALA QADARIN YA MUSA* (20:40). Musa's life circumstances were gradually preparing him for this task; all of this was part of Allah's design. (Note: It is not implied that Prophethood is achieved merely though trials or training.) The meaning of ق د ر is clear here.

In Surah-al-A'la, the Quran states "(Allah) created all things and then fashioned them to an exact proportion; then He made for each of them a ق د ر and guided them (so that they, through this guidance, achieve the ق د ر defined for them)." This describes the system of nourishment *(RABOOBIYAH*, or Allah's manifestation as *RABB*) constantly working throughout the universe, guiding everything towards its respective *TAQDEER*. Mankind has numerous potentialities that lay dormant, but unlike other objects in the universe, mankind is not forced towards the attainment of all of his potentials. He has the freedom of will and mind to alternatively, choose a path that suppresses him and prevents his potential and abilities from attaining fruition.

Revelation is the tool by which he can differentiate between these two paths (and is contained in the Quran). Whichever path he chooses will dictate how Allah's laws affect him. For example, at certain temperatures water is bound to demonstrate the properties of a liquid but when it freezes it will be bound by the properties of a solid (and its liquid properties will no longer apply). In other words, what man does with his choices will determine the set of divine laws that are set into motion. The initiative is on the part of man, and Allah's divine law follows according to it. This is corroborated in the verse "And when they chose to walk a crooked path, Allah made their hearts crooked (61:5)."Also, "He who has strayed is led astray [from the path] (51:8)." In other words, whatever path man chooses, Allah's laws (which govern the results of those actions) apply accordingly. The realizable possibilities of man and his chosen *taqdir* is therefore vast and limitless. However he decides to become, his *taqdir* will be shaped accordingly. In the words of Iqbal,

> The subtle secret of this concept (of *taqdir*) is hidden in one word. That is, if *you* change, then your *taqdir* changes accordingly.
>
> If you become (like) dust, then even a mild wind will blow you and scatter you and will carry you wherever it wishes. If you become (like) a stone (i.e. develop the characteristics of a stone in yourself) then you will break any glass which comes your way."
>
> "If you become (like) dew then your destiny will be an abyss and lowness (and even a mild ray of sunshine will wipe you out of existence). If you become (like) an ocean then your destiny will acquire depth and permanence."

If you find yourself in a situation where the laws of Allah are yielding unpleasant outcomes (bad *taqdir*), change yourself and your actions so that other laws will apply and you can change your *taqdir*. [Therefore, if one feels trapped in fate and destiny or *taqdir* that is unpleasant, if they change themselves and their actions, there will be the possibility of changing the *taqdir*.]

This is the meaning of *taqdir* according to the Quran. Therefore, when it is said "*Innallaha ala kulli shayyin qadeer*," it means that Allah's laws bind all things and defines their destination (destiny). Wherever man places himself, Allah's laws (*taqdir*) will surround him accordingly. Now it is man's choice where he decides to place himself, and as a result, which *taqdir* he takes for himself. But wherever he places himself, he cannot place himself outside the grasp of Allah's *taqdir*. *"Innallaha ala kulu shayyin qadeer."*

The Quran's declaration that everything in the universe has been decreed a model, pattern or system, holds deep and important implications for science, which consistently reveals that the universe appears to be organized on a rational basis, i.e.

ratio, meaning a computational model, with precise proportion. “Allah’s commands are computed and measured (33:38).” Every order is rational. Nature is not blind. Mankind is not bound to a predetermined, immutable fate. What “has been written” are the laws (that such an act will yield such a result), not man’s destiny. Man makes his own destiny according to those laws of cause and effect. These laws are not only in effect in the physical universe (as the laws of nature) but also apply to humankind in the form of permanent values that dictate the results of their actions. The purpose of revealing the Quran was to inform mankind about these permanent values, and this is why the night of the revelation of the Quran is referred to as *“lailatul* ق د ر.” That “night” (or dark-age when the light of revelation was nowhere to be found) when the world was given those values *(aqdaar).* Following and adhering to these permanent values is how man rises from the level of an animal, to the extent that when man is forced to choose between following his insticts vs. sacrificing to adhere to his values, he chooses the latter; for his “*deen*,” he will even sacrifice his very life. And what is “*Deen*” but adherence to the permanent values collected within the Quran.

=======================